اعداد و ترتیب: محمد حارث باسم

اسلامیات (لازمی)

برائے ڈگری کلاسز



انتساب

عزیزم والدین محترمین کے نام

جنہوں نے ہر اس پل جب میں لڑکھڑایا، مجھے سہارا دیا

اور جن کے حسن تربیت اور کمال نظر نے مجھے کسی قابل کیا

... اور ...

انتہائی محترم و مؤقر

جملہ اساتذہ کرام کے نام

جن کی بے پناہ شفقت، بے بہا محنت اور جا بجا حوصلہ افزائی ہی

نے مجھ ایسے نالائق طفل مکتب کو کسی قابل بنایا

محمد حارث باسم

باب اول:
کتاب و سنت

M.HARIS BASIM

تعارفِ قرآن

تعارف:

لفظ قرآن قراءۃ سے مشتق ہے جس کے معنی پڑھنے کے ہیں۔اس طرح قرآن کے معنی ہیں وہ کتاب جو بار بار اور کثرت سے پڑھی جاتی ہے۔اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔قرآن مجید دین اسلام کی اساس اور اس کے پیروکاروں کیلئے تا قیامت نشان راہ ہے۔یہ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا جانے والا وہ آخری مجموعۂ کلام ہے جو تقریباً تئیس سال (بائیس سال چھ ماہ) کے عرصے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کی تا ابد رہنمائی وقیادت کیلئے نازل فرمایا۔

قرآنی معلومات:

قرآنی معلومات کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

☆..... قرآن مجید میں ۳۰ پارے ہیں۔

☆..... قرآن مجید کی پہلی وحی غارِ حرا میں نازل ہوئی۔

☆..... قرآن مجید میں ۵۵۸ رکوع ہیں۔

☆..... قرآن مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہیں۔

☆..... قرآن مجید میں ۱۴ سجدے ہیں۔

☆..... قرآن مجید میں ۶۲۳۶ آیات ہیں۔

☆..... قرآن مجید میں ۸۷ مکی سورتیں ہیں۔

☆..... قرآن مجید میں ۲۷ مدنی سورتیں ہیں۔

☆..... قرآن مجید کی تلاوت کے سات طریقے ہیں جو ''قراءت سبعہ'' کہلاتے ہیں۔

نزول قرآن کا آغاز:

نزول قرآن کی ابتداء ۶۱۰ء میں سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات سے ہوئی۔جبریل امین غار حرا میں ان آیات کا تحفہ لے کر آئے۔اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۴۰ سال تھی۔پہلی وحی کے ساتھ نازل ہونے والی آیات قرآنیہ کا متن یہ ہے:

ترجمہ: ''آپ اپنے اس رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا پڑھئے آپ کا رب کرم کرنے والا ہے جس نے قلم سے علم سیکھا اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا''

اسماء القرآن:

قرآن بلفظِ خود قرآن مجید میں کئی بار استعمال ہوا ہے۔محققین کے مطابق قرآن کے پچپن دیگر نام ہیں جو کہ مختلف مقامات پر قرآنی آیات میں استعمال کیے گئے ہیں۔ان میں سے چند ایک اسمائے قرآن درج ذیل ہیں:

M.HARIS BASIM

الکتاب	ایک کتاب
الفرقان	صحیح وغلط میں فرق کرنے والی کتاب
النور	روشن (روشنی دینے والی کتاب)
الشفاء	تندرستی اور شفاء کی ضامن کتاب
الہدیٰ	رہنما (رہنمائی کرنے والی کتاب)
الحکمۃ	مصلحت وحکمت والی کتاب
الرحمۃ	رحمت کا ذریعہ
الحق	سچائی بیان کرنے والی کتاب
الماجد	تابندہ ودرخشاں کتاب
الخیر	بھلائی دینے والی کتاب

قرآن کی خصوصیات

(۱) انسانیت کا دستورِ حیات:

قرآن مجید انسانوں کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالی کا نازل کیا ہوا وہ دستورِ حیات ہے جس کے قوانین وضوابط مکمل، ہمہ گیر اور دائمی ہیں۔ان پر چل کر دنیا امن وسکون حاصل کرسکتی ہے اور آخرت میں کامیابی وفلاح سے ہمکنار ہوسکتی ہے۔اس کتاب مبارک کا نزول تاریخ کائنات کا عظیم الشان واقعہ ہے۔ یوں تو اللہ تعالی کی نعمتیں لاتعداد ہیں اور ہر نعمت شکر بجالانے کی متقاضی ہے مگر یہ صحیفۂ ہدایت ایسی مہتم بالشان نعمت ہے کہ جو سب پر فوقیت رکھتی ہے اسلئے کہ یہ وہ سرچشمۂ ہدایت ہے جس سے پوری کائنات فیض یاب ہورہی ہے اور تا قیامت ہوتی رہے گی۔

(۲) کتاب حکمت ومعرفت:

قرآن وہ روشنی ہے جس نے جہالت اور شرک کی تاریکیوں کو دور کیا اور دنیا میں علم ومعرفت کی شمعیں روشن کیں۔اس کی تلاوت کرنا باعث ثواب ہے اور اس پر عمل کرنے میں نوع انسانی کی نجات ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔طہارت و پاکیزگی، شادی بیاہ، خوشی وغم، نشست وبرخاست، دوسروں کے ساتھ معاملات، روزی کمانے اور خرچ کرنے، مجلس انفرادی واجتماعی تقریبات، عبادت، معاشرت، معاشیات، عدالت، سیاست اور حکومت جیسے تمام شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں قرآن مکمل تعلیم ورہنمائی رکھتا ہے۔انسان جوں جوں اس میں غور وفکر کرتا جائے گا حقائق ومعارف کے نئے نئے اور روشن پہلو سامنے آتے رہیں گے۔

(۳) کتاب رشد وہدایت:

قرآن بنی نوع انسان کیلئے منارۂ رشد وہدایت ہے۔جس نے بھی قرآن کریم کو ہدایت کیلئے کھلے دل ودماغ سے تمام تعصّبات اور تنگ نظریوں کو بالائے طاق رکھ کر اس میں غور وفکر کیا یا کریں گے وہ ہدایت پاجائیں گے۔وہ دنیا وآخرت دونوں جہانوں میں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوں گے۔

M.HARIS BASIM

(۴) دلوں کو متاثر کرنے والی کتاب:

قرآن کے قاری اور سامع دونوں قرآن کی تاثیر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے کیونکہ اس کا ایک نام ''نور'' بھی ہے۔ قرآن دلوں کو پلٹنے والی کتاب ہے۔ گمراہی سے ہدایت دیتی ہے، تاریکی سے روشنی کی طرف پلٹ دیتی ہے۔ قرآن کریم کی تاثیر نے جن لوگوں کی دنیا بدل ڈالی ان کی لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ اور حضرت جبیرؓ کے قبول اسلام کے واقعات اس کی درخشاں مثالیں ہیں۔

(۵) شفا بخشنے والی کتاب:

قرآن کریم جسم و روح اور نفسیاتی بیماریوں سے شفا بخشنے والی کتاب ہے۔ اس کتاب کا پڑھنا، سننا اور عمل کرنا سب کچھ ہی منفعت کا باعث ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور ہم قرآن میں وہ نازل فرماتے ہیں جو اہلِ ایمان کیلئے شفا اور رحمت ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت

قرآن کریم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ آخری الہامی کتاب ہے جو چودہ سو سال سے اپنی اصلی حالت میں لفظاً، حرفاً اور اِعراباً موجود ہے۔ قرآن کریم کی ابتدائی آیات ہی میں قاری کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنے دل و دماغ کو اس عمل کیلئے تیار کرلو کیونکہ:

ذَلِکَ الْکِتَابُ لاَ رَیْبَ فِیْهِ

ترجمہ: ''یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں'' (سورۃ البقرۃ: ۲)

تمام الہامی کتب میں قرآن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدائے بزرگ و برتر نے لے رکھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُون

ترجمہ: ''اور ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

حفاظت قرآن عہدِ رسالت میں:

قرآن کریم نزول کے ساتھ ساتھ زبانی حفظ اور یاد کرلیا جاتا تھا چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس کو یاد کرنے اور رکھنے کا اہتمام فرمایا۔ صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد حافظِ قرآن تھی۔ ان میں رحمت دو عالم ﷺ کے علاوہ چاروں خلفائے راشدین بھی حافظ تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے قرآن کو لکھوانے کا بھی خصوصی اہتمام فرمایا۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ کرامؓ کتابت وحی کا کام سرانجام دیتے تھے۔

فضائل قرآن

حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء و رسل کے آنے کا سلسلہ جاری رہا۔ مالک و خالق کائنات نے جب چاہا کہ اس سلسلے کو قیامت تک کیلئے بند کر کے صرف ایک رسول کی رسالت ہی کو قائم کیا جائے تو اس نے اپنی آخری الہامی کتاب قرآن مجید کو اپنے آخری نبی ﷺ پر نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح رسول اکرم ﷺ کو قیامت تک کیلئے منصب رسالت کیلئے چنا، اسی طرح

M.HARIS BASIM

اس نے اپنی آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کو بھی یہ اعزاز بخشا کہ وہ نازل تو رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں ہوئی لیکن اس کے احکامات اور عمل کا جائزہ قیامت تک محیط ہے۔

☆.....☆.....☆

سورۃ الحجرات

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (1)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (2)

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (3)

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاء الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (4)

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (5)

ترجمہ

☆.....اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ (۱)

☆.....اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور ان سے اس طرح اونچی آواز سے باتیں نہ کیا کرو جس طرح آپس میں (بے تکلفی کے ساتھ) ایک دوسرے سے کرتے ہو، (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تمھارے سب اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں احساس تک نہ ہو۔ (۲)

☆.....بے شک جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے حضور اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو تقوی کے لئے جانچ لیا ہے ان کیلئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ (۳)

☆.....بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر ناسمجھ ہیں۔ (۴)

☆.....اور اگر وہ صبر کر لیتے یہاں تک کہ آپ باہر ان کی جانب تشریف لاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۵)

تفسیر و تشریح

انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ کی حدود کی پابندی:

پہلی آیت میں اللہ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے آگے بڑھنے، پیش قدمی کرنے اور سبقت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے جس

HARIS BASIM

کے ظاہری معنی ہیں آگے بڑھ کر چلنا، لیکن یہاں محض ظاہری اور سطحی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ ہمہ گیر اور جامع معنی مراد ہیں، اور وہ یہ کہ اہل ایمان پر لازم ہے کہ اپنی دینی و دنیوی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ اور اس کے رسول کی مقرر کردہ حدود سے انحراف نہ کریں، شریعت کے بتلائے ہوئے حلال وحرام کی پابندی کریں۔ اللہ اور اس کے رسول کی منشا اور رضا معلوم کرنے کیلئے ہمارے پاس معیار کتاب وسنت ہے۔

نبی ﷺ کے سامنے آواز دھیمی رکھنا:

دوسری آیت میں بارگاہ نبوی کے آداب تعلیم فرمائے گئے ہیں جو یہ ہیں نبی کی آواز پر اپنی آواز کو پست رکھنا، اور نبی کے ساتھ عامیانہ تخاطب اختیار نہ کرنا۔ نبی کی تعظیم وتوقیر مومن کے لئے جز وایمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے رسول سے ہمکلام ہونے کے آداب بھی تعلیم فرمائے مومن کے لئے جب نبی کے سامنے اونچی آواز سے گفتگو تک کی ممانعت ہے تو کسی اور بے ادبی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

شانِ رسالت ونبوت:

شریعت کا عام اصول یہ ہے کہ اللہ تعالی کسی کی نیکی کو ضائع نہیں فرماتا، لہذا جہاں ایک مسلمان گناہوں پر سزا کا سزادار ہوگا وہاں وہ اپنی نیکیوں پر جزا کا بھی حقدار ہوگا، بس صرف دو گناہ ایسے ہیں جو تمام نیکیوں کو یکسر مٹا دیتے ہیں ایک کفر ورتدار اور دوسرا شان رسالت ونبوت میں گستاخی و بے ادبی یا یوں کہہ لیجئے کہ شان رسالت ﷺ میں بے ادبی و گستاخی کفر ہے کوئی شخص ورع وتقوی، علم وآگہی اور فضل وکمال کے کتنے ہی اعلی مرتبے پر کیوں نہ فائز ہو، شان رسالت میں ادنی سی گستاخی بھی اسے ذلت وپستی اور ایمان ع وعمل کی تباہی وبربادی سے دوچار کرسکتی ہے وہ ایسی عظیم بارگاہ ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام جو پہلے بھی انتہائی حد تک بارگاہ رسالت کا پاس ادب فرماتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد اور بھی محتاط ہوگئے، یہاں تک کہ ایک صحابی ثابت بن زیس رضی اللہ تعالی عنہ جو قدرتی طور پر بلند آواز تھے اپنے آپ کو مقید کرلیا اور زاروقطار روتے رہے اور توبہ کرتے رہے اور ان کی تشفی اس وقت ہوئی جب حضور انور ﷺ نے انہیں تسلی دی۔

ادب کرنے کے تین انعامات:

تیسری آیت میں یہ بتایا گیا کہ جو لوگ بارگاہ نبوی کے آداب اور حرمت کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اپنی آوازیں حضور ﷺ کے سامنے نیچی رکھتے ہیں، ان کے لئے تین انعامات ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ ان کے قلوب تقویٰ کا مرکز ہیں۔

۲۔ دوسرا ان کے لئے مغفرت کی خوشخبری ہے۔

۳۔ تیسرا ان کے لئے اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

بنو تمیم کا وفد:

چوتھی آیت کے شان نزول میں مفسرین نے لکھا ہے کہ بنو تمیم کا ایک وفد مدینہ طیبہ آیا یہ لوگ بدّو تھے اور تہذیب وتمدّن سے نا آشنا تھے، چنانچہ جب انہوں نے حضور ﷺ کو مسجد نبوی میں نہ پایا تو بجائے اس کے کہ آپ کی آمد کا انتظار کرتے، بے قراری اور اضطراب کے عالم میں حجرات امہات المومنین کے باہر ہی سے زور زور سے پکارنے لگے کہ اے محمد ﷺ باہر آیئے! قرآن نے ان کے

اس عمل کو نادانی اور جہالت پر محمول کیا کہ کا یہ قصور اور بے ادبی دانستہ نہ تھی۔ تاہم اگر وہ صبر کر لیتے تو ان کے لئے بہت ہوتا، لیکن چونکہ ان کی غلطی لاعلمی کی بنا پر تھی اس لئے اللہ کی جانب سے ان کی بخشش کی امید ہے۔

☆.....☆.....☆

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِن جَاءكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ (6)

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِي كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُوْلَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (7)

فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (8)

ترجمہ

☆.....اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (کسی کے خلاف) کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق اور چھان بین کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لاعلمی میں کسی گروہ کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر خود اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ (۶)

☆.....اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول تشریف فرما ہیں، اگر وہ اکثر معاملات میں تمہاری بات مان لیں تو تم خود مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنا دیا ہے، اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرما دیا ہے اور کفر، فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا ہے یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔ (۷)

☆.....یہ محض اللہ کا فضل اور نعمت ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (۸)

تفسیر وتشریح

کسی بھی کاروائی سے قبل، خبر کی تحقیق کرنا ضروری ہے:

ان آیات کے شان نزول کے بارے میں جو روایات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلہ بنو مصطلق کا سردار حارث اسلام لے آیا اور واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینے اور ادائیگی زکوۃ کا وعدہ کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے وقت مقررہ پر ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو وصولی زکوۃ کے لئے بھیجا، وہ کسی غلط فہمی کی بناء پر راستے ہی سے لوٹ آئے اور آ کر خبر دی کہ انہوں نے زکوۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

اس پر بعض صحابہ نے جوش ایمانی میں بنو مصطلق کے خلاف فوجی کاروائی کا مطالبہ کر دیا کہ انہوں نے قاصد رسول کی توہین کی رسول اکرم ﷺ نے ذرا تامل کے بعد خالد بن ولید کی قیادت میں ایک دستہ ان کی طرف بھیجا لیکن خالدؓ کو تاکید فرما دی کہ کسی کاروائی یا اقدام سے قبل اس خبر کی تحقیق یا تفتیش کر لیں کہ آیا درست ہے یا نہیں۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ خبر غلط اور خلاف واقعہ ہے اور ایک روایت کے بموجب حارث نے خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر غلط فہمی کا ازالہ کیا۔

بہر کیف مذکورہ دستہ بغیر کسی کاروائی اور کشت وخون کے صحیح سلامت واپس آ گیا اور اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں

M.HARIS BASIM

یہ حکم دیا گیا کہ کسی فاسق کی اہم خبر بلا تحقیق قبول نہیں کرنی چاہیے اور اس پر کسی کاروائی سے قبل حقیقت حال معلوم کر لینی چاہیے۔ مزید یہ کہ جوش ایمانی بجا لیکن یہ مطالبہ نہ کیا کرو کہ جو بات تمہارے جی میں رسول اس پر عمل پیرا ہو جائیں اگر ایسا ہو جائے تو نتیجۃً خود تمہارے لئے مشکلات پیدا ہوں گی۔

فقہی مسئلہ:

ان آیات سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ:

۱۔ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنا واجب ہے اور بلا تحقیق اس پر عمل کرنا ممنوع۔

۲۔ ایسے امور جن کا حقوق کے ساتھ تعلق ہے ان میں فاسق کی شہادت نا قابل قبول ہے۔ کیونکہ جب عام خبر لائق اعتبار نہیں تو شہادت تو حلفیہ ہوتی ہے اور اس میں تاکید مزید ہوتی ہے۔

۳۔ حدیث میں بھی فاسق کی روایت غیر معتبر ہے۔

۴۔ کسی قانون، کسی شرعی حکم اور کسی انسان کے حق کے ثبوت کے لئے بھی اس کی خبر غیر معتبر اور غیر مقبول ہوگی۔

☆.....☆.....☆

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (9)

ترجمہ

☆.....اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ اور اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پس اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ صلح کرا دو بلاشبہ اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

تفسیر وتشریح

مندرجہ بالا آیت سے علماء وفقہائے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے۔

گناہِ کبیرہ کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں:

آیت میں باہم قتال کرنے والے مسلمانوں کے دو گروہوں کہ "مومنین" سے موسوم کیا گیا ہے حالانکہ قتال گناہ کبیرہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان فاسق و فاجر اور قابل ملامت تو ہوتا ہے مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ یہ اہل سنت و جماعت کا مسلمہ مسلک ہے جبکہ خوارج کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارک ہو جاتا ہے اور معتزلہ کے نزدیک یہ ایک درمیانی کیفیت ہے اس پر نہ مومن کا اطلاق ہوگا نہ کافر کا۔

مظلوم کی مدد:

آیت میں مذکورہ جن دو متصادم گروہوں کا ذکر ہے اگر وہ کسی اسلامی حکومت کے اندر رہتے ہوئے حکومت سے نہیں بلکہ باہم

M.HARIS BASIM

برسر پیکار ہوں تو آیت کی رو سے اس وقت تک مظلوم گروہ کا ساتھ دیا جائے گا جب تک تعدی اور زیادتی کرنے والا گروہ اپنی زیادتی سے باز نہ آجائے اگر وہ باز آجائے تو تعصب اور نفسانیت سے بالاتر ہوکر ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ صلح کرائی جائے گی۔

باغی اور مجرم کا فرق:

اگر کوئی گروہ اسلامی حکومت سے متصادم ومتعارض ہے مگر بظاہر تعداد اور وسائل کے اعتبار سے وہ اتنے طاقتور نہیں ہیں کہ انہیں حکومت کے مقابل قرار دیا جائے تو یہ سمجھا جائے گا کہ ان کا مقصد محض لوٹ مار اور قتل وغارت گری ہے۔ لہذا ان لوگوں کے ساتھ باغیوں کا سا نہیں بلکہ عام مجرموں کا سا برتاؤ کیا جائے گا۔

مسئلہ کا اولین حل ''افہام وتفہیم'' ہے:

اگر ان کی جمیعت اور قوت اتنی ہے کہ وہ منظّم حکومت سے محاذ آرائی کر سکتے ہیں لیکن ان کا موقف ناحق یا کسی غلط فہمی پر مبنی ہے تو اول انہیں افہام وتفہیم کے ذریعے قائل کرنے کی کوشش کی جائے گی، اگر اپنی روش سے باز آجائیں تو ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا جیسا کہ حضرت علیؓ نے خوارج کو سمجھانے اور قائل کرنے کے لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھیجا تھا اور بعد میں خود بھی ان سے مناظرہ کیا جس کے نتیجے میں کافی تعداد میں خوارج نے رجوع کیا اور حجرت علیؓ سے آملے۔

باغیوں کے مال کا حکم:

باغیوں کا مال، مال غنیمت متصور نہیں ہوگا۔ البتہ زمانہ جنگ میں ان کا اسلحہ یا دیگر سامان ضرورت کام میں لایا جاسکتا ہے۔

باغیوں کے زخمیوں کا حکم:

ان کے زخمیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا ان کے قیدیوں کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا بھاگنے والے کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔

گناہگار حاکم کی بغاوت:

اگر خلیفہ یا حاکم علانیہ طور پر فسق وفجور پر کار بند ہو، اللہ اور اس کے رسول کی مقررہ حدود سے تجاوز کر رہا ہو اور باغی گروہ اصلاح کا داعی ہو تو اس صورت میں فقہاء میں اختلاف ہے اور حسب ذیل آراء منقول ہیں۔

☆.....امام اعظم ابوحنیفہ اور بعض دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسے حاکم کے خلاف صالح گروہ سے تعاون کرنا چاہیے تاکہ ظالم اور فاسق کو مسند اقتدار سے ہٹایا جاسکے۔

☆.....اکثر فقہا اور اہل حدیث کی رائے یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک بار خلیفہ بن جائے اس کا تسلط واقتدار قائم ہوجائے تو اس کے خلاف بغاوت جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے فساد کا اندیشہ ہے۔

☆.....☆.....☆

M.HARIS BASIM

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (10)

ترجمہ

☆.....مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں کے مابین صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

تفسیر وتشریح

اخوت اسلامی:

اس آیت میں مسلمانوں کے باہمی تعلق کو واضح کیا گیا ہے کہ مومنوں کا باہمی رشتہ اخوت ایمانی و اسلامی پر قائم ہے اور اس کے مقابلے میں تمام رشتے ہیچ ہیں انسان کا باہمی رشتہ اور تعلق کئی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے مثلاً نسب، رنگ و نسل، زبان، وطن اور عقیدہ و مذہب وغیرہ۔ اسلام ان تمام رشتوں کی حقیقت و اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن اسلام میں مسلمانوں کے مابین سب سے مستحکم رشتہ دین و ایمان کا ہے۔ مثلاً وطن کی محبت مسلّم امر ہے کیونکہ یہ ایک ایسی پناہ گاہ ہوتی ہے جہاں کوئی قوم اپنے دین و ایمان، جان و مال اور عزت نفس اور خودی و خودداری کو محفوظ محسوس کرتی ہے اور وطن کی سرحدیں ایک طرح کی فصیل کا کام دیتی ہیں۔

اسی طرح دینی رشتہ اخوت کے مقابلے میں نسلی و نسبی قرابتیں اور علاقائی و وطنی رشتے ہیچ ہیں بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ان سب رشتوں اور حرمتوں کی تقدیس کو دین کی تقدیس پر قربان کر دینا چاہیے۔ اور دینی اخوت کا رشتہ کسی قسم کی علاقائی اور جغرافیائی سرحدوں اور رنگ و نسل کی حدود و قیود کا پابند بھی نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک ابدی، دائمی، عالمگیر، ہمہ گیر اور آفاقی رشتہ ہے۔

اخوت کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

چنانچہ اس رشتہ اخوت کی اہمیت و کیفیت کو رسول اکرم ﷺ نے ان احادیث میں بیان فرمایا ہے۔

۱۔ مسلمانوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے پر رحم کرنے میں، ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنے میں ایسی ہے جیسا ایک جسم ہو، جب اس کا ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار اور بیداری میں مبتلہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دیوار کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کے لئے تقویت کا باعث ہوتی ہے۔

۳۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔

☆.....☆.....☆

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاء مِّن نِّسَاء عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (11)

ترجمہ

☆.....اے ایمان والو! نہ تو مردوں کا ایک گروہ دوسرے کا مذاق اڑائے ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ہی عورتیں دوسری

M.HARIS BASIM

عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ ان سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر عین نہ لگاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے کو برے القاب سے بلاؤ، ایمان لانے کے بعد فسق میں مبتلہ ہونا (یا فاسق کہلانا) بہت بری بات ہے۔ اور جس نے (ان افعال قبیحہ سے) توبہ نہ کی تو وہی ظالم لوگ ہیں۔ (۱۱)

تفسیر وتشریح

اس آیت میں ان اخلاقی مفاسد ومعائب کی ممانعت فرمائی گئی ہے جن سے اسلامی معاشرے کی یگانگت اور وحدت متاثر ہوتی ہے۔ افراد کے مابین الفت ومحبت کی بجائے نفرت وعداوت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ وہ اخلاقی امراض یہ ہیں:

۱۔ ایک دوسرے کا مذاق اڑانا۔
۲۔ ایک دوسرے کی عیب جوئی کرنا اور طعن وتشنیع کرنا۔
۳۔ ایک دوسرے کو برے اور توہین آمیز ناموں سے پکارنا۔
۴۔ ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کرنا۔
۵۔ ایک دوسرے کی مخفی حالات کو کریدنا، تو ہ لگانا اور جاسوسی کرنا۔
۶۔ ایک دوسرے کی غیبت کرنا۔

ایک دوسرے کا مذاق اڑانا:

دوسروں کا مذاق اڑانا مطلقا ممنوع ہے، خواہ زبان سے ہو یا اشارات وکنایات سے ہو کیونکہ اس سے دوسرے فریق کی توہین تحقیر، تضحیک اور تذلیل مقصود ہوتی ہے جو اسلام میں بالکل ناجائز ہے اور اس سے دوسرے کی دلآزاری ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ چیزیں فساد کا موجب ہوتی ہے۔

ایک دوسرے کی عیب جوئی کرنا:

اسلام میں دوسروں کے عیوب تلاش کرنا، طنز وتعریض کرنا، طعن وتشنیع کرنا یہ سب امور ناجائز ہیں، قرآن نے "دوسروں کے عیب نہ لگاؤ" کہنے کی بجائے (اپنے اوپر عیب نہ لگاؤ) کے کلمان استعمال کر کے نہایت بلیغ اسلوب بیان اختیار فرمایا ہے۔ گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ تم جس پر طعن کر رہے ہو وہ کوئی غیر تھوڑا ہے، تمہاری ہی سوسائٹی کا ایک فرد ہے اور دوم یہ کہ اگر تم دوسرے کی عزت سے کھیلو گے اور اسے اپنی بیہودگی کا نشانہ بناؤ گے تو اس کا بس چلے گا تو وہ بھی تمہیں سر بازار رسوا کرے گا۔ اور دوسرے کے عیوب وہی تلاش کرتا ہے جس کی اپنے عیوب پر نظر نہیں ہوتی۔

ایک دوسرے کو برے اور توہین آمیز ناموں سے پکارنا:

اسلام میں دوسروں کو توہین آمیز ناموں سے پکارنا بھی ممنوع ہے، بعض اوقات لوگ کسی شخص کی جسمانی کمزوری یا خاندانی نسبت یا کسی خامی کو پیش نظر رکھ کر اس کے مختلف توہین آمیز نام رکھ لیتے ہیں اور اسے ان ناموں سے پکارتے ہیں، یہ شرعاً ممنوع ہے خواہ وہ عیب متعلقہ فرد میں موجود ہو یا نہ ہو۔ جیسے کسی کو لنگڑا، اندھا، کانا یا منافق وغیرہ کہنا۔ البتہ بعض اوقات ایسے نام جن سے بظاہر توہین کا پہلو نکلتا ہے کسی شخص کی پہچان کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں نیک نیتی سے ان ناموں کا استعمال جائز ہے جیسے سلیمان الاعمش (چندھا) ابو ہریرہ وغیرہ۔

M.HARIS BASIM

☆.....☆.....☆

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (12)

ترجمہ

☆.....اے اہلِ ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (۱۲)

تفسیر وتشریح

اس آیت میں بھی ان اخلاقی مفاسد و معائب کی ممانعت فرمائی گئی ہے جن سے اسلامی معاشرے کی یگانگت اور وحدت متاثر ہوتی ہے۔ افراد کے مابین الفت و محبت کی بجائے نفرت و عداوت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ وہ اخلاقی امراض یہ ہیں:

۱۔ ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کرنا۔

۲۔ ایک دوسرے کی مخفی حالات کو کریدنا، ٹوہ لگانا اور جاسوسی کرنا۔

۳۔ ایک دوسرے کی غیبت کرنا۔

ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کرنا:

آیت میں اگرچہ مطلقاً لفظ "ظن" استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی گمان کے ہیں لیکن کہہ کر یہ اشارہ فرمایا کہ اس سے ظن سوء یعنی بدگمانی مراد ہے دراصل "گمان" کی متعدد صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے۔ فقہی اعتبار سے "گمان" کی قسمیں یہ ہیں۔

(۱) واجب: اللہ تعالی کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے، حدیث میں ہے:

''تم میں سے ہر ایک کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اللہ کے ساتھ نیک گمان رکھتا ہو۔''

ایک اور حدیث قدسی میں ہے۔

''میرا بندہ میرے بارے میں جیسا گمان رکھتا ہے میں اس سے ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں،
اب اس کی اپنی مرضی وہ جیسا چاہے میرے ساتھ گمان رکھے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جس نے معاذ اللہ، اللہ کے ساتھ بدگمانی رکھی تو اس کی نجات ناممکن ہے۔

(۲) مستحب: ہر مومن جس کا ظاہری حال اچھا ہو اس کے بارے میں نیک گمان رکھنا مستحب ہے۔

(۳) مباح: وہ شخص جس کا حال مشتبہ اور مشکوک ہو اس کے بارے میں بدگمانی رکھنا مباح ہے، لیکن جب تک قطعی ثبوت نہ ہو اس کے بارے میں کوئی کاروائی کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی اس کے احوال کریدنے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں ہے:

''اگر تمہیں کے بارے میں بدگمانی ہو جائے تو اس کی تحقیق میں نہ لگ جاؤ۔''

(۴) حرام: اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بدگمانی رکھنا حرام ہے۔

قرآن میں عام مسلمانوں کے بارہ میں بدگمانی کرنے سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ جب تک کہ کسی کے بارے میں بات

M.HARIS BASIM

پایہ تحقیق تک نہ پہنچ جائے۔ بلاتحقیق یا کسی دلیل وثبوت کے بغیر کسی پر الزام تراشی کرنا یا تہمت لگانا بھی اس زمرے میں آتا ہے۔ حدیث میں ہے:

''بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔''

ٹوہ لگانا اور جاسوسی کرنا:

اسلام میں دوسروں کے مخفی حالات کو کریدنا نجی احوال کا سراغ لگانا، تجسّس ممنوع ہے۔ اس طرح دوسروں کی پردہ دری ہوتی ہے جو بہت بڑا اخلاقی جرم ہے۔ حدیث میں ہے:

''مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں کا کھوج نہ لگایا کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے پوشیدہ احوال کو کریدنے کے درپے ہوگا اللہ اس کے عیوب کے درپے ہوجائیگا اور اللہ جس کے راز کھولنے کے درپے ہوجائے اسے اس کے اپنے ہی گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔''

اس کے برعکس ایک اور حدیث پاک میں ہے۔

''جس نے کسی سلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالی آخرت ہیں اس کے عیوب پر پردہ فرمائے گا۔''

ایک دوسرے کی غیبت کرنا:

آیت میں آخری موضوع جس کی ممانعت فرمائی گئی ہے غیبت ہے۔ اور اس فعل کے گھناؤنے پن کو حسی مثال سے واضح فرمایا کہ یہ ایک قابل نفرت وکراہت فعل ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ ایک حدیث پاک میں اسے زنا سے بھی بدتر فعل قرار دیا گیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے سفر معراج کے موقع پر آپ کو عالم غیب کے جو مشاہدات کرائے گئے اس میں بعض حسنات وسیئات کی جزا وسزا کا تمثیلی مشاہدہ بھی تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ بعض لوگوں کے تانبے کے ناخن ہیں اور وہ اپنے چہروں اور بدن کے گوشت نوچ رہے ہیں آپ ﷺ کے دریافت فرمانے پر جبریل امین نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے تھے اور آبرو ریزی کرتے تھے۔

غیبت کی تعریف:

غیبت کی تعریف مندرجہ ذیل حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ ''انھوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا ''تو اپنے بھائی کا ذکر ایسا کرے جو اسے ناگوار ہو'' عرض کیا گیا، اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کی رائے کیا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''اگر اس میں وہ بات موجود ہو جو تو نے کہی تو تو نے اس کی غیبت کی، اور اگر اس میں وہ بات موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی کوئی ایسی بات مذمت کے طور پر بیان کرنا غیبت کہلاتا ہے،

M.HARIS BASIM

کہ اگر وہی بات اس شخص کے سامنے بیان کی جاتی تو اسے ناگوار گزرتی۔ غیبت جس طرح زبان سے ہوتی ہے اسی طرح تحریری طور پر یا اشارات و کنایات میں بھی ہوسکتی ہے۔

غیبت دہرا گناہ ہے اس میں بیک وقت اللہ کی نافرمانی بھی ہوتی ہے اور جس انسان کی غیبت کی جارہی ہے اس کی حق تلفی بھی، اس لئے اگر خدانخواستہ غیبت جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرلیا ہے اور انسان اس پر نادم ہو تو اس کی تلافی اور کفارہ یہ ہے کہ علانیہ طور پر توبہ کرے، جس مجلس میں غیبت کی ہے اس میں اپنی تکذیب کرے اور جس انسان کی غیبت کی ہے اس سے معافی طلب کرے، بشرطیکہ اسے علم ہوگیا ہے، ایک حدیث میں غیبت کا کفارہ یہ بتایا گیا ہے کہ جس کی غیبت کی ہے اس کے لئے ان کلمات سے استغفار کرے" اے اللہ مجھے اور اسے بخشش دے"۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (13)

ترجمہ

☆.....اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، یقیناً تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو، بے شک اللہ خوب جاننے والا اچھی طرح باخبر ہے۔ (۱۳)

تفسیر وتشریح

انسانی مساوات:

اسلام ایک عالمگیر دین ہے، اس کی دعوت نوع انسانی کے ہر فرد کے لئے ہے اور اس کے دروازے آدم کے ہر بیٹے اور ہر بیٹی کے لئے کھلے ہیں اسلام میں ذات پات رنگ و نسل، زبان و وطن یا کسی اور ایسی بنیاد پر کوئی اونچ نیچ نہیں ہے جو انسان کے لئے اپنے دائرہ اختیار میں نہ ہو۔ اسلام میں نسلی و نسبی، لسانی و وطنی یا رنگ و روپ کی بنیاد پر تفاخر کو کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ آیت نسل انسانی کے ہر فرد کو یہ یاد دلا رہی ہے کہ تمہاری اصل ایک ہے، تمہارا مادہ تخلیق ایک ہے اس لئے ان میں سے کوئی چیز بھی وجہ امتیاز نہیں ہے۔

آیت کا سبب نزول:

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت بلال حبشیؓ کو حکم دیا کہ کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل فرمائی یہ منظر دیکھ کر قریش مکہ پر کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ کیونکہ نسلی و لسانی تفاخر اور جذبہ برتری ان کے رگ و پے میں رچا بسا تھا، وہ اسے کیسے بہ آسانی برداشت کر سکتے تھے چنانچہ عتبہ، حارث، سہیل اور ابوسفیان اپنے جذبات کو ضبط نہ کر سکے، اللہ جل شانہ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرما کر ان کے بتان رنگ و خون اور زباں و وطن کو پاش پاش کر دیا۔ اور واضح فرما دیا کہ جو اسلام کی آغوش میں آنا چاہتا ہے اسے ان تمام مصیبتوں کو ترک کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اسلام میں اعزاز و اکرام اور فضیلت و کامل کا معیار و مدار ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے اللہ کا تقوی۔ انسانی برداری کو قوموں، قبیلوں اور خاندانوں میں منقسم کرنے میں اللہ کی حکمت ضرور ہے اور وہ ہے ایک دوسرے کا تعارف اور جان پہچان، رشتوں کا قرب و بعد تقسیم وراثت میں معیار قرار پاتا ہے، اس سے زائد

W.HARIS BASIM

کچھ بھی نہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر ارشاد:

فتح مکّہ کے موقع پر حضورﷺ نے فرمایا۔

''شکر ہے اس خدا کا جس نے تم سے جاہلیت کا عیب اور تکبر دور کر دیا۔ لوگو! انسان بس دو ہی طرح کے ہیں، ایک نیک اور متقی جو اللہ کے نزدیک محترم ہیں اور دوسرا بدکار بد بخت جو اللہ کے نزدیک حقیر ہے، ورنہ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔''

حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد:

حجۃ الوداع کے موقع پر آپﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! سنو تمہارا رب ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل ہے۔ بس اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔''

اسی طرح آپﷺ کا ارشاد ہے۔

''تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے، لوگوں کو چاہیے کہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ کے نزدیک وہ گوبر کے کالے کیڑے سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہوں گے۔''

اسی طرح آپﷺ نے فرمایا:

''اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

اس کے باوجود اس جدید اور متمدن دور میں ایسے ممالک اور اقوام موجود ہیں جہاں ذات پات اور رنگ و نسل کی بنیاد پر اونچ نیچ موجود ہے، اس کی واضح مثال ہندوستان میں ذات پات کا نظام ہے جسے ہندو مذہب کا تحفظ حاصل ہے، افریقہ اور امریکہ میں کالے گورے کی تمیز، یہ تمام چیزیں انسانیت کے لئے باعث شرم ہیں۔

☆.....☆.....☆

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (14)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (15)

قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (16)

M.HARIS BASIM

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (17)

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (18)

ترجمہ

☆.....بدوی کہتے ہیں کہ "ہم ایمان لائے" آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ "تم ایمان نہیں لائے" بلکہ یہ کہو ن کہ ہم اطاعت گزار ہو گئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو تمہارے اعمال میں کمی نہیں کرے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۴)

☆.....درحقیقت مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر اس میں کبھی شک نہیں کیا اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، وہی لوگ سچے ہیں۔(۱۵)

☆.....(ایمان کے ان دعویداروں سے) کہہ دیجئے، کیا تم اللہ کو اپنے دین کی اطلاع دے رہے ہو، حالانکہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔(۱۶)

☆.....وہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ ایمان لے آئے ہیں، کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت عطا فرمائی۔ اگر تم (اپنے دعوی ایمان میں) سچے ہو۔(۱۷)

☆.....یقیناً اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔ اور اللہ خوب جان رہا ہے جو تم کرتے ہو۔(۱۸)

تفسیر وتشریح

آیت نمبر 14 میں بعض بدوی قبائل عرب کا ذکر ہے جن میں بطور خاص بنو اسد کا نام نمایاں ہے کہ وہ ایک بار زمانہ قحط میں حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور اپنے ایمان و اسلام کا احسان جتانے لگے کہ ہمیں ہمارا حق دیدیجئے۔ ہماری ضرورتیں پورا کیجئے، ہم دوسرے قبائل کے برعکس بغیر جنگ و جدال کے آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اسی طرح اور متعدد قبائل مثلاً مزینہ، اسلم، اشجع وغیرہ کے لوگ بھی دنیوی مفادات کی خاطر یا تعزیر و عتاب سے بچنے کے لئے اسلام کے غلبے کے خوف سے مسلمانوں کے زمرے میں شامل ہو گئے تھے۔ تو اللہ جل شانہ نے اس آیت میں ان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا اور بتایا کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ سچا اور کامل مومن کون ہے اور ایمان کے تقاضے کیا ہیں اور ایمان لا کر کوئی اللہ اور اسے کے رسول پر احسان نہیں کرتا۔ بلکہ اسے اللہ اور اسے کے رسول کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اسے توفیق ایمان اور ہدایت سے سرفراز فرمایا اور یہ کہ کوئی لاکھ اپنی اندرونی کیفیات، قلبی واردات اور خبث باطن کو چھپانے کی کوشش کرے، اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

HARIS BASIM

سورۃ الفرقان

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوا سَلَاماً (63)

☆.....اور اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔۶۳۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَقِيَاماً (64)

☆.....اور جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے اور (عجز و ادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔۶۴۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً (65)

☆.....اور وہ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار! دوزخ کے عذاب کو ہم سے دُور رکھیو کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے۔۶۵۔

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً (66)

☆.....اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بُری جگہ ہے۔۶۶۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً (67)

☆.....اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔۶۷۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَاماً (68)

☆.....اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے اور جن جاندار کا مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر (یعنی حکمِ شریعت کے مطابق) اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔۶۸۔

يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَاناً (69)

☆.....قیامت کے دن اس کو دونا عذاب ہوگا اور ذلت اور خواری سے اس میں ہمیشہ رہے گا۔۶۹۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُوْلَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيْماً (70)

☆.....مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہی۔۷۰۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَإِنَّهُ يَتُوْبُ إِلَى اللَّهِ مَتَاباً (71)

☆.....اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بیشک وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔۷۱۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً (72)

☆.....اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے

M.HARIS BASIM

ہیں۔۷۲۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمّاً وَعُمْيَاناً (73)

☆.....اور وہ کہ جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں)۔ ۷۳۔

وَالَّذِيْنَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَاماً (74)

☆.....اور وہ جو (اللہ سے) دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔۷۴۔

أُوْلَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَسَلَاماً (75)

☆.....ان (صفات کے) لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیئے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا وسلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔۷۵۔

خَالِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً (76)

☆.....اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے۔۷۶۔

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَاماً (77)

☆.....کہہ دو کہ اگر تم (اللہ کو) نہیں پکارتے تو میرا پروردگار بھی تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتا تم نے تکذیب کی ہے سو اس کی سزا (تمہارے لئے) لازم ہوگی۔۷۷۔

M.HARIS BASIM

احادیث مبارکہ

حدیث نمبر (۱)

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ : كل سلامیٰ من الناس عليه صدقة ،كل يوم تطلع فيه الشمس تعدل بين الاثنين صدقة ، وتعين الرجل فی دابته فتحمله عليها أو ترفع له عليهامتاعه صدقة ، والكلمة الطيبة صدقة، وبكل خطوة تمشيها الى الصلاة صدقة ، وتميط الاذیٰ عن الطريق صدقة۔

ترجمہ

حضرت ابو ہرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: انسان کے ہر ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہے۔ ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے تیرا دو آدمیوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر دینا صدقہ ہے، تیرا کسی شخص کی مدد کرنا (اس کی سواری اور بار برداری کے کام میں) اس طرح کہ تو اسے اس کے جانور پر سوار کرائے یا اس پر اس کا سامان لدوائے، یہ صدقہ ہے، اور اچھی بات کہہ دینا یہ بھی صدقہ ہے اور نماز کے لئے جانے میں اٹھایا جانے والا ہر ہر قدم صدقہ ہے اور عام راستے اور گزرگاہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا یہ بھی صدقہ ہے۔

تشریح

اس حدیث پاک کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان پر اللہ جل شانہ کی نعمتیں بے شمار اور بے حد وحساب ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَتَ اللّهِ لاَ تُحْصُوهَا إِنَّ الإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ

''اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔''

نعمتوں کا احساس واعتراف:

بعض نعمتوں کا انسان کو احساس ہوتا ہے ور بعض کا احساس وشعور نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر انسان بہت کم اپنے جسم کی ہیئت ترکیبی پر غور کرتا ہے، ورنہ اسے اپنے خالق و مالک کی قدرت اور کاریگری کا اندازہ ہو جائے۔ چنانچہ اس حدیث میں انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ انسان کی جسمانی ساخت کا اہم پرزہ انسان کے جوڑ ہیں جن کی وجہ سے انسان کے جسم میں لچک اور حرکت کی استعداد و صلاحیت ہے اور جس کی مدد سے انسان اپنے طبعی تقاضوں اور فطری خواہشات کی تکمیل کے لئے مختلف جسمانی ہئتیں اختیار کر سکتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو انسان زندہ ہوتے ہوئے بھی ایک بے حس وحرکت اور جامد وساکت درخت یا ٹیلے کی مانند ہو۔

لہذا انسان کو قدرت کی ان نعمتوں کا شعوری طور پر احساس واعتراف کرنا چاہیے اور اس پر اپنے منعم کا شکر ادا کرنا واجب اور لازم ہے۔ اس اعتراف نعمت اور اظہار تشکر کو حدیث میں صدقے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اس کے ہر ہر جوڑ کو عوض اس پر صدقہ واجب ہے۔ اور پھر قرآن نے یہ بھی فرمایا کہ شکر نعمت ازدیاد نعمت کا باعث ہوتا ہے۔

M.HARIS BASIM

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

''اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں نعمت میں اضافہ کر دوں گا''

صدقہ کی تعریف:

لفظ صدقہ سے صرف یہ مراد نہیں کہ عطیہ لازماً مالی شکل میں ہو بلکہ ہر ایک کا اور ہر چیز کا صدقہ اس کی اپنی مناسبت اور طبعی استعداد کے مطابق عائد کیا گیا ہے۔ حدیث میں اعتراف نعمت اور اظہار تشکر کی ان متعدد صورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

زبان کا صدقہ:

مثلاً زبان کا صدقہ یہ ہے کہ زبان سے ہمیشہ کلمہ خیر کہے آیات الٰہیہ کی تلاوت کرے، کلمہ طیبہ سے بطور خاص کلمہ اور دیگر کلمات ذکر و فکر بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ غیبت، جھوٹ، بہتان اور لغو باتوں سے اجتناب کرے ورنہ ایک اور حدیث میں ہے۔

''اچھی بات کہو یا پھر خاموش رہو۔'' (یعنی بیہودہ گوئی سے سکوت بہتر ہے)۔

چلنے پھرنے کی قوت کا صدقہ:

پاؤں اور چلنے پھرنے کی قوت اور نعمت کا صدقہ یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے قدم خیر کی طرف اٹھائے اور اپنے آپ کو شر سے روکے رکھے۔ حدیث میں نماز کا ذکر ایک اعلیٰ نمونے کے طور پر کیا گیا ہے اور ایک اور حدیث میں نماز کے لئے اٹھائے جانے والے ہر قدم کے بدلے 10 نیکیوں کے اضافے 10 گناہوں کی معافی اور 10 درجات کی بلندی کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب نماز کی طرف اٹھائے جانے والے قدم اتنے مبارک ہیں تو بجائے خود نماز کتنی بابرکت عبادت ہوگی اس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ ہر نیک کام کے لئے قدم اٹھانا صدقہ اور نیکی ہے۔

ذہنی صلاحیتوں کا صدقہ:

اسی طرح علمی، ذہنی اور فکری صلاحیتوں کا صدقہ یہ ہے کہ دو افراد کے درمیان دیانت اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔ اور جسم و جاں اور قوت بازو کی نعمت کا ایک ادنیٰ صدقہ اور حق یہ ہے کہ کسی ضعیف، مجبور اور بے کس کا بوجھ اٹھا لے، راہ چلتے معذور کو سہارا دے اور عام گزرگاہ پر کوئی کانٹا، کوئی تکلیف دہ چیز نظر آ جائے تو اسے ہٹا دے تاکہ راہ چلنے والا تکلیف اور مصیبت سے بچ جائے۔ ایک اور ڈ حدیث میں اسے ایمان کی علامت اور ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے۔

حدیث نمبر (۲)

عن ام كلثوم بنت عقبة بن أبی معيط رضی الله عنها قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول : ليس الكذاب الذی يصلح بين الناس فينمی خيرا أو يقول خيرا۔(متفق عليه)

وفی رواية مسلم زيادةقالت: ولم أسمعه يرخص فی أشياء مما يقوله الناس الا فی ثلاث تعنی الحرب الاصلاح بين الناس وحديث الرجل امرأته و حديث المرأة زوجها۔

ترجمہ

اُم کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیطؓ کہتی ہیں کہ میں نے سنا رسول اکرم ﷺ ارشاد فرما رہے تھے جھوٹا شخص وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور (کسی ایک فریق کی طرف) اچھی بات منسوب کرے یا اچھی بات منسوب کرے یا اچھی بات کہے، (یہاں تک

M.HARIS BASIM

حدیث کے الفاظ بخاری اور مسلم دونوں میں متفق علیہ ہیں)، مگر اس کے بعد مسلم شریف کی روایت میں مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ ہے:

میں نے نہیں سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کے کلام میں (خلاف واقعہ بات کہنے کی) رخصت دی ہو مگر صرف تین مواقع پر (آپ ﷺ نے ایسی رخصت دی ہے) یعنی دشمن سے جنگ کے موقع پر اور لوگوں کے درمیان صلح کرنے کے موقع پر، اور مرد کا اپنی بیوی سے اور بیوی کا اپنے شوہر سے گفتگو کرتے وقت اظہار محبت میں مبالغہ آرائی کرنا۔

تشریح

اسلام میں جھوٹ بولنا صریح گناہ ہے بلکہ بعض علماء نے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اور جھوٹ بولنے یا خلاف واقع بات کہنے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ مگر بعض ایسے بلند و بالا مقاصد بھی ہیں جن کے لیے اسلام کے بے لچک اصول میں بھی تھوڑی سی رخصت دی گئی ہے اور نیک نیتی اور اخلاص سے جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے۔

تین مقامات، جہاں جھوٹ بولنے کی اجازت ہے:

زیر بحث حدیث میں ایسے مواقع تین بتائے گئے ہیں۔ جہاں شرعاً خلاف واقع بات کہنے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کے پیچھے اصلاح نیک نیتی اخلاص اور دفع شر کے عوامل اور جذبات کارفرما ہوں۔ ایسی خلاف واقعہ بات پر دراصل جھوٹ کا اطلاق صحیح نہیں، اس پر کذب اور جھوٹ کا اطلاق محض لغوی طور پر ہی ہوسکتا ہے حقیقتاً نہیں۔

پہلا مقام، دو مسلمانوں میں صلح:

دو مسلمانوں کی آپس کی رنجش کو ختم کرنے کیلئے جھوٹ کا سہارا لینے کی جازت ہے۔ مثلاً دو آدمیوں میں اختلاف ہے اور وہ ایک دوسرے کے کٹر دشمن ہیں اور آپ ان دونوں کے درمیان صلح کے خواہش مند ہیں اور آپ ایک سے جا کر کہیں کہ ''فلاں صاحب'' جن کے آپ مخالف ہیں آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔ ایسے ہی آپ دوسرے فریق سے جا کر اسی طرح بات کریں تو اس طرح کوئی بعید نہیں کہ ان کے دلوں سے نفرت و کدورت ختم ہو جائے اور وہ دوبارہ آپس میں شیر و شکر ہو جائیں۔

دوسرا مقام، جنگ کا موقع:

اسی طرح دوسرا موقع جہاں خلاف واقعہ بات کہنے کی اجازت ہے دشمن سے جنگ کا موقع ہے، جنگ کے بارے میں ایک اور روایت ہے، "الحرب خدعة" جنگ دھوکہ ہے۔ یعنی جنگ میں ہر فریق اپنی حکمت عملی، چالوں اور جنگی تدابیر سے دوسرے فریق کو نقصان پہنچانے اور تباہ کرنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے ایسے موقع پر کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں وہ کسی بھی صورت میں دشمن کو اسلامی فوج کی جنگی پوزیشن جنگی رازوں اور دفاعی حکمت عملیوں سے آگاہ کرے خواہ اسے کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

تیسرا مقام، میاں بیوی کی مبالغہ آرائی:

اسی طرح میاں بیوی کا باہمی رشتہ طبعی لحاظ سے قریب ترین اور نازک ترین رشتہ ہے۔ اور پورے خاندانی نظام کی صلاح و فلاح کا انحصار اس رشتے کی استواری پر ہے۔ اور یہ بھی فطری امر ہے کہ اتنے قریبی تعلق میں عملاً ہر لمحہ اور ہر لحظہ اعلیٰ ترین جذباتی کیفیت برقرار نہیں رہ سکتی۔ مشہور مثل ہے کہ جہاں دو برتن ہوتے ہیں آپس میں ٹکراتے ہیں۔ لہذا اس حدیث کی رو سے میاں بیوی کو شرعاً اس امر کی رخصت دی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ باہمی محبت کے اظہار میں مبالغہ آرائی سے کام لے سکتے ہیں خواہ وہ خلاف واقعہ ہی کیوں نہ ہو، یعنی قلبی و ذہنی کیفیات محبت خواہ زبانی دعوائے محبت سے کم تر ہی کیوں نہ ہوں۔

M.HARIS BASIM

حدیث نمبر (۳)

عن ابی العباس سهل ابن سعد الساعدی رضی الله عنه قال: مر رجل علی النبی ﷺ فقال لرجل عنده جالس: "ما رأيك فی هذا؟"فقال: رجل من أشراف الناس هذا والله حری ان خطب ان ينكح وان شفع ان يشفع فسكت رسول الله ﷺ - ثم مر رجل آخر فقال له رسول الله ﷺ "ما رأيك فی هذا؟"فقال يا رسول الله هذا رجل من فقراء المسلمين هذا حری ان خطب ان لا ينكح وان شفع ان لا يشفع وان قال ان لا يسمع لقوله- فقال رسول الله ﷺ "هذا خير من ملء الارض مثل هذا" (متفق عليه)

ترجمہ

ابوالعباس سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا رسول اکرم ﷺ کے پاس سے گزر ہوا تو حضور ﷺ نے پاس بیٹھے ہوئے ایک دوسرے شخص سے دریافت فرمایا: کہ تمہاری اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یہ شرفاء میں سے ہے اگر یہ (کسی کی بیٹی یا بہن کے لئے) نکاح کا پیغام دے تو اسے (بخوشی) قبول کرلیا جائے اور اگر یہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش مان لی جائے۔ پھر وہاں سے ایک اور شخص کا گزر ہوا تو حضور ﷺ نے اسی پاس بیٹھے ہوئے شخص سے اس کے بارے میں دریافت فرمایا کہ تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ شخص نادار مسلمانوں کے طبقے سے تعلق رکھتا ہے یہ اس لائق ہے کہ اس کی سفارش نہ مانی جائے اور اگر یہ کوئی بات کہے تو رد کردی جائے تو اس پر رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (جس شخص کی تم نے دل کھول کر تعریف وتوصیف کی ہے) اگر اس جیسے لوگوں سے زمین بھر جائے تو یہ ایک (نادار مومن) ان سب (اللہ کے نزدیک) افضل واعلی ہے۔

تشریح

انسانی شرف وفضیلت:

اس حدیث پاک میں انسانی شرف وفضیلت کے دو معیار بتائے گئے ہیں ایک خالص دنیوی معیار ہے اور وہ ہے دنیوی مال و متاع کی فراوانی، جاہ ومنصب، حسب ونسب اور نام ونمود وغیرہ۔ دوسرا معیار خالص دینی ہے، جس کا تمام تر دارومدار سیرت وکردار، قول وفعل، علم وعمل اور تقوی وپرہیزگاری پر ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے دنیاوی معیار شرافت کے تحت پہلے شخص کو افضل واشرف اور لائق احترام قرار دیا اور دوسرے مسکین ونادار شخص کو ناقابل توجہ۔ اس پر اللہ کے رسول مکرم ﷺ نے واضح فرمایا کہ اللہ کے نزدیک معیار شرافت وہ نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے۔ اس جیسے دنیادار لوگوں سے اللہ کی زمین بھر جائے تو بھی سب مل کر ایک نادار مومن کامل کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے ۔ کیونکہ قرانی معیار شرافت وفضیلت صرف اور صرف تقوی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

''اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے''

اور ایک حدیث پاک میں ہے:

''بہت سے پراگندہ حال غبار آلود اشخاص ایسے ہیں جنہیں دنیا دار لوگ دھتکار دیتے ہیں (لیکن اللہ کے ہاں ان کا مقام یہ ہے کہ) اگر وہ کسی معاملے میں اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس میں انہیں سرخرو فرماتا ہے۔''

حدیث نمبر (۴)

عن سهل بن سعد رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ : أنا وكافل اليتيم فی الجنة هكذا وأشار بالسبابة والوسطیٰ وفرج بينهما شيئا۔ (رواه البخاری)

ترجمہ

''سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کا کفیل جنت میں اس طرح ہوں گے، آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں کے درمیان کشادگی فرمائی۔''

تشریح

یتیم کی کفالت کی فضیلت:

اس حدیث پاک میں سرکار دو عالم ﷺ نے یتیموں کے حقوق کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے، اور بتایا ہے کہ جو شخص کسی یتیم کی کفالت اور سرپرستی کرتا ہے اسے آخرت میں جنت میں ایسے اعلیٰ مقام پر فائز کیا جائے گا جہاں سے اسے اللہ کے رسول مکرم ﷺ کا تقرب حاصل ہوگا۔

یتیم کی تعریف:

یتیم اسے کہتے ہیں کہ جس کے والد کا بچپن میں انتقال ہوگیا ہو اور ظاہری طور پر وہ بے سہارا ہوگیا ہو۔ ایسے یتیم بچوں کی کفالت باعث اجر و ثواب ہے۔ اور اگر یتیم بچے کا حصہ وراثت میں کچھ مال ملا ہو تو ایک امین کی حیثیت سے اس مال کا تحفظ کرنا چاہیے اور اسے مختلف حیلوں اور ہتھکنڈوں سے اپنے ذاتی تصرف میں نہیں لانا چاہیے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوباً كَبِيراً

ان کے مال کو اپنے مال میں شامل کر کے نہ کھاؤ۔ بلاشبہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یتیم پر شفقت:

اسی طرح یتیم بچوں سے تلخی اور روکھے پن کا لہجہ بھی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ انہیں اپنی محرومی اور بے کسی کا احساس نہ ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلاَ تَقْهَرْ

''یتیم کو مت جھڑکو۔''

اگر یتیم غریب و نادار بھی ہے تو قرآن کی رو سے اس کی کفالت سے پہلو تہی اختیار کرنے والا دراصل قیامت کو جھٹلاتا ہے

M.HARIS BASIM

ورنہ قیامت کے خوف سے وہ ایسی جسارت کبھی نہ کرتا۔

حدیث نمبر (۵)

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ليس المسكين الذى ترده التمرة والتمرتان الا اللقمة واللقمتان ، انما المسكين الذى يتعفف ۔ (متفق عليه)

وفى رواية فى الصحيحين : ليس المسكين الذى يطوف على الناس ترده اللقمة واللقمتان و التمرة والتمرتان ولكن المسكين الذى لا يجد غنىً يغنيه ولا يفطن به فيتصدق عليه ولا يقوم فيسأل الناس۔

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا درحقیقت مسکین وہ نہیں ہے کہ جسے ایک دو کھجوریں یا ایک دو لقمے (تمہارے دروازے سے) لوٹا دیں، حقیقتاً مسکین تو وہ ہے جو خودداری کی وجہ سے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ اور صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ مسکین وہ نہیں جو در بدر چکر کاٹتا رہتا ہے۔ ایک دو لقمے اور ایک دو کھجوریں (اسے دے دیئے جائیں تو اگلا دروازہ کھٹکھٹانے کے) لئے چل پڑتا ہے۔ بلکہ درحقیقت مسکین تو وہ ہے جس کے پاس اپنی گزراوقات کے لئے کچھ نہیں (لیکن اس کی خوداری اور قناعت کی وجہ سے) اس کی حالت کا کسی کو پتہ بھی نہیں چل پاتا کہ اس پر صدقہ کرے اور نہ ہی وہ مجمعوں میں کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔

تشریح

مسکین کی تعریف:

اصطلاح شریعت میں مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس گزراوقات کیلئے کچھ بھی نہ ہو۔ بعض لوگ حقیقتاً محتاج اور تنگ دست تو نہیں ہوتے لیکن گداگری کو پیشے اور ذریعہ معاش کے طور پر اختیار کر لیتے ہیں۔ گھر گھر اور در در جاتے ہیں، مسجدوں، مجمعوں، سڑکوں، بازاروں اور چوراہوں پر راہ چلتے آدمی کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے اوپر مصنوعی فقر و مسکنت طاری کر کے فنکارانہ مہارت کے ساتھ دوسروں کی جیب سے رقم نکال کر دم لیتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں اس طرز عمل کو قابل ملامت قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں انسانیت کی توہین ہے، حقیقی مستحقین اور مساکین کی حق تلفی ہے۔ اور کثیر تعداد پیشہ ور گروں کی قومی معاشی جدوجہد سے لاتعلقی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ایک دو لقموں یا ایک دو کھجوروں کی مثال عہد رسالت کے مزاج کے مطابق ہے۔

موجودہ تناظر:

آج کل کے حوالے سے بات کی جائے تو ایک دو روپے کہہ لیجئے۔ ایسے لوگوں کو حتی الامکان صدقہ نہیں دینا چاہیے بلکہ ان کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے تاکہ پیشہ ور گداگر جو ایک باقاعدہ طبقے کے طور پر وجود میں آ گئے ہیں، ختم ہو سکیں۔ اس کے برعکس حدیث پاک میں حقیقی مستحقین اور صحیح ناداروں اور مساکین کی نشاندہی کی گئی ہے کہ:

> ''ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تلاش کرو کیونکہ وہ اپنی خودرادی، پاکدامنی، قناعت پسندی کی صفات کی وجہ سے تنگدستی کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا گوارہ نہیں کرتے۔''

W.HARIS BASIM

اعانت کا طریقہ:

اور ایسے لوگوں کی اعانت اس طریقے سے کرنی چاہیے کہ ان کی خودداری مجروح نہ ہو اور وہ اپنے پاؤں پر بھی کھڑے ہوسکیں۔ لہذا یہ سمجھ کر نہیں دینا چاہیے کہ ان پر احسان کیا جارہا ہے بلکہ یہ سمجھ کر دینا چاہیے کہ ان کا شرعی حق انھیں لوٹایا جارہا ہے اور اس حق کی ادائیگی میں جو تاخیر ہوئی ہے وہ کوتاہی ہے۔

حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

تؤخذ من أغنيائهم وترد الى فقرائهم

''کہ صدقات ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقراء کو لوٹائے جائیں۔''

حدیث نمبر (٦)

عن عائشة رضى الله عنها أيضا قالت: جائتنى مسكينة تحمل ابنتين لها فأطعمتها ثلاث تمرات فأعطت كل واحدة منهما تمرة ورفعت الى فيها تمرة لتأكلها فاستطعمتها ابنتاها فشقت التمرة التى كانت تريد أن تأكلها بينهما فأعجبنى شأنها فذكرت الذى صنعت لرسول الله ﷺ فقال : ان الله قد أوجب لها بها الجنة أو أعتقها بها من النار۔

ترجمہ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مسکین عورت میرے پاس آئی جو اپنی دو بیٹیوں کو ہمراہ لئے ہوئے تھی، میں نے اسے تین کھجوریں دیں تو اس دونوں لڑکیوں کو ایک ایک کھجور دی اور ایک کھجور خود کھانے کے ارادے سے اپنے منہ میں ڈالنے ہی والی تھی کہ دونوں بچیوں نے وہ کھجور بھی مانگ لی تو اس عورت نے اس کھجور کو جسے وہ خود کھانا چاہتی تھی، دو ٹکڑے کر کے دونوں میں بانٹ دی (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ) اس کے ایثار نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ تو میں نے اس عورت کے اس طرز عمل کا حضور اکرم ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے اس کے اس ایثار کے صلے میں اس کے لئے جنت واجب کردی یا (آپ ﷺ نے فرمایا) اس عمل کی برکت سے اللہ نے اسے جہنم سے آزاد کردیا۔

تشریح

اس حدیث پاک سے دو باتیں نمایاں طور پر سامنے آئیں، ایک مسکین عورت کا اپنی بچیوں کے لئے ایثار اور آخرت میں اللہ کے ہاں اس کا اجر۔ ایثار کا مفہوم ہی یہ ہے کہ انسان ضرورت مند ہونے کے باوجود دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دے جیسا کہ قرآن پاک میں شان صحابہ و مومنین بیان کی گئی ہے کہ:

"وہ اگرچہ خود حاجت مند ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں"۔

زیر بحث حدیث میں ظاہر ہے کہ جس طرح وہ بچیاں بھوکی تھیں اسی طرح وہ عورت (ان کی ماں) بھی فقر و فاقہ کے عالم میں تھی۔ وہ چاہتی تو ایک کی بجائے دو کھجوریں خود کھا لیتی لیکن اس نے خود بھوکا رہنا تو گوارا کیا مگر بچیوں کی بھوک کو گوارا نہ کرسکی۔ اس عظیم ایثار پر حضرت عائشہؓ محو حیرت ہوگئیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس عمل کی بدولت وہ جنتی ہوگئی۔

M.HARIS BASIM

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ اپنی اولاد کے لئے بھی ایثار اتنا ہی باعث اجر ہے جتنا کہ دوسروں کے لئے بلکہ بعض دیگر احادیث میں دو یا زائد لڑکیوں کی پرورش اور شادی تک کفالت کو اخروی نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ دوم یہ اللہ کے عطا کردہ علم نبوت کے فیض سے رسول اکرم ﷺ لوگوں کی عاقبت اور جنتی و جہنمی ہونے کا علم رکھتے تھے اور جہاں حکمت الٰہی کا تقاضا ہوتا تھا وہاں اس کا اظہار بھی فرما دیتے تھے۔

حدیث میں جہاں "او" بمعنی یا کلمہ ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی کو قطعی بات یاد نہیں رہی بلکہ وہ شک میں پڑ گیا کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا یا وہ فرمایا۔

حدیث نمبر (۷)

عن مصعب بن سعد بن أبی وقاص رضی الله عنهما قال : رأی سعد ان له فضلا علی من دونه فقال النبی ﷺ "هل تنصرون و ترزقون الا بضعفائکم"

ترجمہ

مصعب بن سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ (ان کے والد) سعد نے یہ گمان کی کہ انھیں اپنے سے نیچے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا قدرت کی طرف سے تمہاری جو مدد کی جاتی اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے یہ تمہارے کمزوروں کی برکت سے ہے"۔

تشریح

ضعفاء کی فضیلت:

اس حدیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ بظاہر کمزور اور ناتواں نظر آنے والے ضعیف درویشوں کی فضیلت اور بلند مرتبتی بیان فرما رہے ہیں کہ جو لوگ بظاہر کمزور ہوں ضروری نہیں کہ اللہ کی نظر میں بھی ان کا مقام و مرتبہ نہ ہو۔ عین ممکن ہے کہ وہی ضعیف اللہ کے ہاں بہت سے لوگوں سے زیادہ فضیلت و اہمیت رکھتا ہو۔

لفظ ''رأیٰ'' کا مطلب:

لفظ "رای" کے لغوی معنی ہیں دیکھنا! لیکن یہاں یہ لفظ ظن اور گمان کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو یعنی یہ ایک قلبی واردات تھی جو نگاہ نبوت سے مستور نہ رہ سکی اور حضور اکرم ﷺ نے اسے بھانپ لیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے طرز عمل سے ان کے خیال کی عکاسی ہوئی ہو یا انہوں نے صراحتاً اس کا اظہار کر دیا ہو۔ بہر کیف جو بھی صورت ہو۔

سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی غلط فہمی دور فرما دی تھی اور یہ بتایا کہ اسلامی معاشرہ کے وہ افراد جو بظاہر تمہیں ضعیف، کمزور اور ناتواں نظر آتے ہیں ضروری نہیں کہ اللہ کے نزدیک بھی وہ ایسے ہی ہوں۔

کمزوروں کو حقیر نہ سمجھو:

ان میں سے کچھ لوگ مقبول بارگاہ خداوندی ہوتے ہیں اور انہی کی دعاؤں کی برکت اور وسیلے سے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نصرت

M.HARIS BASIM

سے نوازتا ہے اور تم پر رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہی ناتواں بوڑھوں، مریضوں عورتوں اور بچوں کے صدقے میں اللہ ان کے مجاہد بھائیوں کو میدان جنگ میں فتح و نصرت سے نوازتا ہے۔ اس لئے بتایا کہ نہ اپنی کامیابیوں پر ناز کرو اور نہ ہی ضعیفوں اور کمزوروں کو حقیر سمجھو۔ کیا خبر اللہ کے ہاں کس کا مقام بلند ہے۔ اسی لئے ایک روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

''مجھے ضعفا یعنی کمزوروں میں تلاش کرو۔''

حدیث نمبر (۸)

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ "دينار أنفقته فی سبيل الله، ودينار أنفقته فی رقبة، ودينار تصدقت به علی مسكين ، ودينا رأنفقته علی أهلك، أعظمها أجرا الذی أنفقته علی أهلك۔ (رواه مسلم)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ایک دینار وہ ہے جو تو نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا، اور ایک دینار وہ ہے جو تو نے غلام آزاد کرنے میں صرف کیا۔ اور ایک دینار وہ ہے جو تو نے مسکین پر صدقہ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو تو نے اپنے اہل وعیال پر صرف کیا۔ ان میں سب سے زیادہ باعث اجر و ثواب وہ ہے جو تو نے اپنے اہل وعیال پر صرف کیا۔

تشریح

اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت:

اس حدیث پاک میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مالی صدقات و خیرات کے مصارف اور مدات کئی ہیں اور ہر ایک مد اپنی جگہ درست اور صحیح ہے مثلاً حدیث میں چار مدات کا ذکر کیا گیا ہے، ان سب پر انفرادی طور پر اور بحیثیت مجموعی انفاق شرعی کا اطلاق ہوتا ہے، لیکن رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے اجر آخرت کے اعتبار سے سب سے عظیم نیکی اپنے اہل وعیال کی کفالت اور ان کی حاجت براری ہے۔

اہل وعیال پر خرچ کرنا شرعی ذمہ داری ہے:

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید جہاد مالی میں حصہ لینا مسکین کو صدقہ کر دینا، غلام کو آزاد کرنا یا کسی اور کار خیر میں مالی تعاون کرنا تو باعث اجر ہے مگر اپنے اہل وعیال کی کفالت کے فریضے سے عہدہ برآ ہونا یہ خالص دنیوی عمل ہے اور اس میں اجر و ثواب کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اس حدیث نے دین و دنیا کی اس تفریق کو ختم کر دیا ہے اور واضح کر دیا کہ انسان جو بھی کام احساس ذمہ داری، نیت اجر و ثواب اور حصول رضائے الٰہی کے لئے کرے گا وہ دین ہی دین ہے، اس میں اجر ہی اجر ہے کیونکہ اسلام میں حلال ذرائع سے روزی حاصل کر کے اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالنا یہ انسان کی شرعی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا سب سے بڑی نیکی ہے کیونکہ اسلامی عائلی نظام اور معاشرتی ڈھانچے کی بنیاد ہی اسی پر استوار کی گئی ہے۔

اہل وعیال پر خرچ کرنے کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

حضور اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں جا بجا بیوی بچوں پر خرچ کرنے کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

M.HARIS BASIM

چنانچہ ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ:

(۱) انسان اللہ کی رضا کے لئے جو بھی خرچ کرے گا اس پر اسے اجر ملے گا حتی کہ اس لقمہ روزی پر بھی جو وہ اپنی محنت سے حلال ذرائع سے حاصل کر کے اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔

اور ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

(۲) جب انسان برائے رضائے الٰہی اور بہ نیت اجر وثواب اپنے اہل وعیال کی کفالت پر خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لئے صدقہ ہے۔

حدیث نمبر (۹)

وعنه عن النبی ﷺ قال : الید العلیا خیر من الید السفلیٰ ، وابدأ بمن تعول ، وخیر الصدقة ما کان علی ظهر غنیً، ومن یستعفف یعفه الله ، ومن یستغن یغنه الله۔ (رواه البخاری)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور (صدقہ اور خیرات کا) آغاز ان سے کر جو تیرے زیر کفالت ہیں اور بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کے لیے پس انداز کرنے کے بعد ہو اور جو عفت و پاکدامنی چاہے گا اللہ اسے پاکدامنی عطا کرے گا اور جو استغنا چاہے اللہ اسے غنی فرما دے گا۔

تشریح

اس حدیث پاک میں حضور کریم ﷺ نے پانچ مختلف باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

پہلی بات۔صدقہ دینے کی فضیلت:

سب سے پہلے اس امر کی ترغیب دی گئی ہے کہ اگر چہ شدید ضرورت کے وقت انسان بحالت مجبوری دوسرے مالدار بھائی سے صدقہ مالی اور اعانت لے سکتا ہے مگر محض اسے ایک ناگزیر مجبوری کے طور پر اس عمل کو اختیار کرنا چاہیے یہ کوئی قابل فخر بات نہیں ہے بلکہ قابل فخر اور قابل عزت یہ امر ہے کہ انسان دینے وال بنے نہ کہ لینے والا۔

(اوپر والے ہاتھ) سے کنایہ ہے دینے کی طرف اور (نچلے ہاتھ) سے کنایہ ہے لینے کی طرف۔ یہ اس لیے فرمایا گیا کہ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو جو ضرورتاً نہیں بلکہ عادتاً مانگتے ہیں اور پھر اسے پیشہ بنا لیتے ہیں۔

دوسری بات۔اہل وعیال پر خرچ کرنا:

دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ انسان کے صدقہ وخیرات اور جود وسخا کے اولین مستحق انسان کے اہل وعیال اور اس کے زیر کفالت افراد ہیں۔ اگر کوئی شخص اہل وعیال کو تنگدست اور بھوکا ننگا چھوڑ کر بیرونی حلقوں میں داد دہش کا مظاہرہ کرتا ہے تو اسے ریاکاری اور نام ونمود پر محمول کیا جائے گا بلکہ ایک اور حدیث پاک میں اپنے قرابت داروں پر خرچ کرنے کا دوہرا اجر بتایا گیا ہے۔ ایک انفاق فی سبیل اللہ کا اجر اور دوسرا صلہ رحمی کا اجر یعنی اس عمل میں دو نیکیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں موت سے پہلے ایسے مالی صدقے سے منع فرمایا گیا ہے کہ:

M.HARIS BASIM

''انسان اپنی ساری یا اکثر دولت خیرات کر دے اور ورثا کو تنگ دست چھوڑ کر چلا جائے''

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے وصیت پر بھی پابندی عائد کی ہے کہ وہ ورثاء کی رضامندی کے بغیر ایک تہائی مال سے زائد پر نافذ نہیں ہوگی تا کہ ورثاء کی حق تلفی نہ ہو۔

ملاحظہ: یہ امر ملحوظ رہے کہ ان احادیث میں ہر جگہ صدقے سے مراد صدقات واجبہ یعنی زکوۃ، فطرہ اور نذر نہیں ہے بلکہ عام مالی صدقات وانفاق مراد ہے کیونکہ باپ کی زکوۃ بیٹے پر اور بیٹے کی زکوۃ باپ پر، شوہر کی بیوی اور بیوی کی شوہر پر ادا نہیں ہوتی۔

تیسری بات۔اہل وعیال کی ترجیح:

تیسری بات حدیث میں یہ فرمائی گئی کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر بار، اہل وعیال اور قرابت کے حلقے سے باہر مالی صدقہ کرنا چاہے تو بصد شوق کرے لیکن اپنی اور اپنے متعلقین اور قرابت داروں کی ضروریات کے لئے پس انداز کرنے کے بعد، ورنہ یہ محض ریاکاری ہوگی۔

چوتھی بات۔عفت و پاکدامنی:

چوتھی بات یہ کہ جو عفت و پاکدامنی چاہے گا اللہ اسے عطا کرے گا یہاں عفت کے دو مفاہیم مراد ہو سکتے ہیں ایک پاک دامنی، بے حیائی اور بدکرداری سے برآد۔ دوسرا معنی جو قرآن میں بھی مراد لیا گیا ہے یہ ہے کہ ایک شخص حاجت مند تو ہو لیکن خودداری عزت نفس اور حیا کی وجہ سے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے اور اسے اپنے وقار کے منافی تصور کرے تو اگر وہ اللہ سے یہ دعا کرے اور توفیق طلب کرے کہ اسے دست سوال دراز نہ کرنا پڑے اور قدرت الٰہی سے اس کی کفالت اور روزگار کا باعزت و باوقار ذریعہ نکل آئے تو اللہ کی رحمت سے عین ممکن ہے بلکہ یقینی ہے کہ اللہ اس کی مراد پوری فرمائے گا۔

پانچویں بات۔استغناء:

حدیث میں بیان کردہ پانچویں بات یہ کہ استغناء کرنے والے شخص کو اللہ پاک حقیقت میں غنی فرما دیتے ہیں۔ استغناء سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ سے یہ دعا مانگے کہ وہ اسے مخلوق کا محتاج نہ کرے، اس پر وسائل رزق کشادہ فرما دے تا کہ احتیاج باقی نہ رہے تو اللہ یقیناً اسے غنی فرمائے گا بشرطیکہ اللہ کی قدرت وعطا اور رحمت وسخا پر اس کا ایمان کامل ہو۔

حدیث نمبر (۱۰)

عن أنس رضی اللہ عنہ قال : کان أبو طلحة رضی اللہ عنہ أکثر الأنصار بالمدینة مالا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فقال أبو طلحة: أفعل یا رسول اللہ، فقسمها أبو طلحة فی أقاربه وبنی عمه۔ (متفق علیه)

ترجمہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ابوطلحہؓ انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ ان کے کھجوروں کے باغات تھے، اور اپنے مال میں سے انہیں نامی کنواں اور باغ سب سے زیادہ پسند تھا اور وہ مسجد نبوی کے سامنے تھا اور رسول اکرم ﷺ وہاں تشریف لے جاتے تھے اور اس کا عمدہ لذیز پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ، جب تک تم اپنی محبوب چیز کو راہ خدا میں صرف نہ کرو گے تم خیر کامل کو نہیں پا سکتے۔

تو ابوطلحہؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ "اور میرا محبوب ترین مال ''بیر حاء'' (ایک کنویں کا نام) ہے اور یہ اللہ کے نام پر صدقہ ہے میں اس کی نیکی اور اجر آخرت کی امید کرتا ہوں تو یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنی صوابدیدہ کے مطابق جیسے اور جہاں مناسب سمجھیں اسے استعمال میں لائیے تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، شاباش آفرین یہ نفع بخش مال ہے اور جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا ہے اور میں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے قرابت داروں کو عطا کر دو ابوطلحہؓ نے عریض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ایسا ہی کروں گا پھر ابوطلحہؓ نے اسے اپنے قرابت داروں اور چچازادوں میں تقسیم کر دیا۔

تشریح

تمہیدی بحث:

اس حدیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی اہمیت اور اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس کی بہترین صورت اور اس کا بہترین مصرف بھی بیان فرما رہے ہیں۔ بنیادی طور پر اس حدیث پاک میں چند امور توجہ طلب ہیں۔

ایک صحابہ کرام کا طرز عمل۔

دوسرا یہ کہ انفاق فی سبیل اللہ کی بہترین صورت کیا ہے۔

تیسرا یہ کہ انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف کیا ہے۔

صحابہ کرام کا طرز عمل:

اس حدیث کی روشنی میں حضرت ابوطلحہؓ کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام قرآن مجید میں نازل کئے گئے احکام پر دل کی گہرائیوں سے عمل کرتے تھے، اور پوری جامعیت اور معویت کے ساتھ انہیں قبول کرتے تھے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی بہترین صورت:

دوسری بات جو قرآن کی آیت کے حوالے سے معلوم ہوئی یہ ہے کہ اگر اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کرنا ہے تو اس کی پوری قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اگر تم خالق کائنات اور محبوب خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی سب سے قیمتی سب سے پیاری اور سب سے عزیز متاع کو اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں قربان کر دو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو تمہارا دعوائے محبت بے جاب اور کھوکھلا ہے ظاہر ہے جو اپنا محبوب مال اللہ کے لئے نہ دے سکے وہ جان عزیز کا نذرانہ پیش کرنے کی جرات و ہمت کہاں کر سکے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف:

تیسری بات یہ تعلیم فرمائی گئی کہ ہر طرح کے انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات کے اولین مستحق کسی شخص کے قریب ترین عزیز و رشتے دار ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ شرعاً مستحق ہوں اور صاحب نصاب نہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ انسان کا فیض بیرونی حلقوں میں تو جاری و ساری رہے اور چراغ تلے اندھیرا کے مصداق اس کے قریبی رشتہ دار محروم ہوں۔ اور جیسا کہ گزشتہ حدیثوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ قرابت داروں پر خرچ کرنا دوہرے اجر کا باعث ہے ایک اجر صدقہ و خیرات کا اور دوسرا صلہ رحمی کا جو اپنی جگہ ایک مستقبل نیکی ہے۔

M.HARIS BASIM

حدیث نمبر (۱۱)

عن النعمان بن بشير رضى الله عنه قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول: الحلال بين والحرام بين وبينهما مشتبهات لا يعلمها كثير من الناس، فمن اتقى المشبهات استبرأ لدينه و عرضه، ومن وقع فى الشبهات، كراع يرعىٰ حول الحمىٰ يوشك أن يواقعه ـ ألا وان لكل ملك حمى، ألا وحمى الله فى أرضه محارمه ـ ألا وان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله، ألا وهى القلب۔ (متفق عليه)

ترجمہ

نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اکرم ﷺ ارشاد فرما رہے تھے کہ: حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تو جو شبہات سے بچا رہا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچا لیا۔ اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔ جیسے وہ چرواہا جو ممنوع چراگاہ کے اردگرد اپنے مویشیوں کو چراتا ہے اس کے لئے خدشہ ہے کہ جانور اس میں گھس جائیں۔

خبردار! ہر بادشاہ کی کچھ معینہ حد ہوتی ہے اور سنو! اللہ کی مقررہ حدود اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ سنو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا نظام بدن بگڑ جاتا ہے۔ سنو! وہ دل ہے۔

تشریح

مذکورہ بالا حدیث طویل حدیث ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے تین مختلف موضوعات تفصیل سے مثالیں دے کر واضح فرمائے ہیں۔

پہلا نکتہ۔ مشتبہات کی وضاحت:

اس حدیث پاک میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ امور اور اشیاء جن سے انسان کو شب و روز واسطہ پڑتا ہے ان میں بعض صریح طور پر حلال ہیں اور بعض واضح اور قطعی طور پر حرام ہیں۔ جو امور اور اشیاء قطعی طور پر حرام ہیں ان کے بارہ میں کوئی شخص دھوکا نہیں کھا سکتا۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنی مرضی سے ہلاکت اور تباہی کا راستہ اختیار کرے لیکن حلال اور حرام کے درمیان بعض مشکوک اور مشتبہ امور ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان سے دور رہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

''مشکوک چیزوں کو چھوڑ کر غیر مشکوک اور قطعی چیزوں کو اختیار کرو''

ان ارشادات کا مقصد و مدعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو نہ صرف یہ کہ حرام اور ناجائز امور سے اجتناب کرنا چاہیے بلکہ ایسے امور اور اشیاء سے بھی اجتناب کرنا چاہیے جس میں خیر کے مقابلے میں شر کا پہلو غالب ہو کیونکہ اس طرح آدمی آگر کار حرام اور ناجائز میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ قرآن و حدیث کا ممنوعات سے روکنے کا بلیغ انداز ہے چنانچہ جب حضرت آدم و حوا کو ایک مخصوص درخت کا پھل کھانے سے روکا جا رہا تھا تو یہ نہیں فرمایا کہ: ''اس درخت یا اس کے پھل کو نہ کھاؤ''، بلکہ یہ فرمایا کہ: ''اس درخت کے قریب تک نہ جاؤ۔''

M.HARIS BASIM

مثال:

اسی مفہوم کو ایک حسی مثال سے مزید واضح فرمایا کہ، فرض کیجئے ایک باغ یا کھیت یا چراگاہ ہے جس کا پھل کھانا یا فصل کاٹنا یا مال مویشی چرانا اس کے مالک نے ممنوع قرار دے رکھا ہے۔ اب اگر کوئی چرواہا اپنے مویشی اس ممنوع چراگاہ کے اردگرد یا اس کے قرب وجوار میں چراتا ہے تو اس کے لئے اس بات کا خطرہ ہر وقت رہتا ہے کہ اس کے مویشی کسی وقت باڑ پھلانگ کر چراگاہ میں داخل ہو جائیں اور اسے تباہ کر ڈالیں۔

دوسرا نکتہ۔ اللہ کی حدود:

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے حدیث پاک کے تمہیدی کلمات سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس طرح ہر بادشاہ کی کچھ معینہ حدود ہوتی ہیں، کچھ امور ممنوع ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح احکم الحاکمین کی بھی معینہ حدود ہیں اور اللہ کے مقررہ حدود دراصل اس کے محرمات ہیں۔ لہذا جو اس کے محرمات کی حدود میں داخل ہوگا وہ اس کا باغی قرار پائے گا۔

تیسرا نکتہ۔ قلب کی اصلاح:

حدیث پاک کے آخر میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انسان کی جسمانی بقا کا انحصار گوشت کے ایک لوتھڑے پر ہے۔ اگر انسانی جسم کا یہ مرکزی پرزہ ٹھیک ٹھاک کام کرتا رہے تو پورا جسمانی نظام ٹھیک ٹھاک کام کرتا رہے گا اور اگر اس پرزے میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو پورا جسمانی نظام بگڑ جاتا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ ''یہ دل ہے''۔

صحت جسمانی اور حیات انسانی کے لئے قلب انسانی کا جسمانی طور پر ٹھیک ہونا ضروری ہے اور صحت ایمانی و روحانی کے لئے اس کا روحانی طور پر صحیح ہونا ضروری ہے۔ جس طرح اسے جسمانی امراض لاحق ہوتے ہیں اسی طرح اسے روحانی اخلاقی امراض بھی لاحق ہوتے ہیں۔ بعض مقامات پر قلب کے اس روحانی مرض کو " قساوۃ " سنگدلی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ کفار کے قلوب کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''ان کے دل پتھر کی مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں اور قساوۃ قلبی سے مراد قلب کی وہ کیفیت ہے کہ وہ خیر کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو، خیر کے تمام سوتے جو قلب انسانی سے پھوٹتے ہیں، خشک ہو جائیں۔''

حدیث نمبر (۱۲)

عن النواس بن سمعان رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال : سألت رسول الله ﷺ عن البر والاثم ۔ قال البر حسن الخلق، والاثم ما حاك فی صدرك، وكرهت أن يطلع عليه الناس۔

ترجمہ

حضر نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تجھے یہ بات ناپسند ہو کہ لوگوں کو (تمہاری اس کمزوری کا) پتہ چل جائے۔

حدیث نمبر (۱۳)

عن وابصة بن معبد رضی الله عنه قال : أتيت رسول الله ﷺ فقال جئت تسأل عن البر؟ قلت : نعم،

فقال : استفت قلبك البر ما اطمأنت اليه النفس واطمأن اليه القلب، والاثم ما حاك فى النفس وتردد فى الصدر وان أفتاك الناس وافتوك۔

ترجمہ

وابصہ بن معبدؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، تم نیکی کے بارے میں پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کی! جی ہاں! تو آپ نے فرمایا" اپنے دل سے پوچھو، نیکی وہ ہے جس پر انسان کا نفس اور دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور انسان تردد میں مبتلا ہو جائے۔ اور اگر چہ لوگ تجھے فتوی دیں اور تجھے فتوی دیں"۔ (یہ مسند احمد اور مسند دارمی کی روایت ہے)۔

تشریح

تمہید:

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں کا مفہوم اور مرکزی خیال ایک ہی ہے، پہلی حدیث میں اختصار ہے اور دوسری میں قدرے تفصیل ہے ان دونوں کی تشریح ایک ساتھ کی جاسکتی ہے۔ مندرجہ بالا دونوں احادیث میں حضور اکرم ﷺ نے بہت ہی سہل اور عام فہم انداز میں گناہ اور نیکی کا مفہوم سمجھایا ہے۔

خیر وشر کا مفہوم:

اسلام دین فطرت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں خیر اور شر کے لئے دو جامع اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں اور اسلام کی تمام تعلیمات اور حیات انسانی کے تمام معاملات کو ان دو جامع الفاظ میں سمو دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن نے نیکی کو ''معروف'' سے تعبیر کیا ہے اور شر کو ''منکر'' سے۔ معروف کے معنی ہیں جانا پہچانا ۔جس سے انسان مانوس ہو، آشنا ہو، اور منکر کے معنی ہیں ''نا آشنا'' اجنبی، جس سے انسان کے دل میں نفرت پیدا ہو۔ گویا اسلام یہ بتانا چاہتا ہے کہ خیر اور نیکی اس چیز کا نام ہے جو انسان کی فطرت سلیم کے لئے جانی پہچانی ہو۔ فطرت انسانی اس سے آشنا ہو اور شر وہ ہے جس سے انسانی فطرت نفرت کرے۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ لیجئے کہ اسلام نے فطرت انسانی کو خیر وشر کے لئے میزان، معیار اور کسوٹی قرار دیا ہے۔

نفس کی تعریف:

اب رہا سوال یہ کہ انسانی وجود اور شخصیت میں فطرت سلیم کا یہ مظہر اور خیر وشر کی کسوٹی کون سی چیز ہے۔ قرآن نے اسے ''نفس'' سے تعبیر کیا ہے۔ اور نفس انسانی کے تین رخ، تین رجحانات اور تین نام بتائے ہیں۔

(۱) نفس امارہ:

جو انسان کو شر کی طرف مائل کرتا ہے۔ جو میلانات شر کو قبول کرتا ہے جو انسانی وجود میں گویا شیطانی نمائندہ ہے۔

(۲) نفس لوامہ:

جو انسان کو خیر کی طرف مائل کرتا ہے، جو میلانات خیر کو قبول کرتا ہے جو انسانی وجود میں گویا رحمٰن کا نمائندہ ہے، اسے اردو میں

ضمیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ بشری تقاضے کے تحت انسان سے خطا ہو جائے اور گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو نفس انسانی کا یہ جذبہ (ضمیر) اسے ملامت کرتا ہے، برائی دل میں کھٹکتی رہتی ہے۔ چبھن اور ندامت سی محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ انسان توبہ کر کے اس کا ازالہ نہ کر لے۔ گویا انسان کے دل و دماغ میں ضمیر قدرت کی طرف سے ایک چوکیدار اور محافظ کا کردار ادا کرتا رہتا ہے۔ اگر کہیں وہ دیکھتا ہے کہ انسان کی غفلت، کوتاہی یا نادانی سے اس کی دولت ایمان و عمل لٹ رہی ہے تو یہ اندر ہی اندر سے انسان کو بیدار کرتا ہے، متنبہ کرتا ہے اسے چین نہیں آتا تاوقتیکہ انسان اپنی غلطی کا ازالہ نہ کر لے۔

اسی لئے حضور ﷺ نے اسے نہ صرف عمل خیر اور عمل شر کی کسوٹی قرار دیا ہے، بلکہ یہ ایمان کی بھی کسوٹی ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ:

''جب تمہیں تمہاری نیکی بھلی معلوم ہو اور تمہیں اپنی برائی دل میں بری معلوم ہو تو سمجھو کہ تم مومن ہو۔ اور اللہ تعالی نے قرآن پاک میں بھی فرمایا ہے کہ:

''اس نے ہر نفس انسانی کو اس کی نیکی اور بدی الہام کر دی ہے۔''

یعنی اسے نیک و بد کی تمیز عطا کر دی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ یہ چنگاری بجھ گئی ہے ضمیر انسانی مر چکا ہے، خیر و شر کی تمیز مٹ چکی ہے تو پھر اپنے ایمان کی بھی خیر منائیے اور عمل کی بھی۔

(۳) نفس مطمئنہ:

اگر بفضل خداوندی انسانی قلب سے تمام شیطانی تقاضے مٹ جائیں اور فنا ہو جائیں، صرف اور صرف ایمان کے تقاضے اس میں پرورش پا رہے ہیں۔ انسانی ضمیر تمام شیطانی جذبات پر مکمل طور پر غالب آ چکا ہو۔ شیطان ایسے فرشتہ خصلت افراد سے مایوس ہو جاتا ہے، یہ اللہ کے "عباد مخلصین" ہوتے ہیں اور ان کی فکر اور سوچ اپنے خالق کی مشیت کے سانچے میں ڈھل چکی ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے انبیاء صدیقین، شہدا و اولیاء اور ان کے متبعین کا گروہ ہے۔

حدیث نمبر (۱۴)

عن الحسن بن علی رضی الله عنهما قال: حفظت من رسول الله ﷺ: "دع ما يريبك الى ما لا يريبك"۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ

حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ بات یاد کر لی ہے کہ ''جو چیز تجھے شک و شبہ میں ڈال دے اسے چھوڑ دو اور غیر مشکوک و غیر مشتبہ چیز کو اختیار کرو''۔

تشریح

مشکوک و متشابہ کا حکم:

اس حدیث کا مفہوم وہی ہے جو گزشتہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ امام ترمذی کی روایت ہے اور انہوں نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کے مفہوم کی وضاحت بھی فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزیں جن کی حیثیت واضح نہ ہو، ان کے حلال و حرام ہونے میں شک و شبہ ہو تو ان کی تحقیق و جستجو میں وقت ضائع کرنے کی بجائے ان امور کو اختیار کرو جن کے حلال اور جائز ہونے میں کوئی

M.HARIS BASIM

شک وشبہ نہ ہو۔اور اس میں بھی جو حکمت پیش نظر ہے وہ یہی ہے کہ مشکوک اور مشتبہ امور دراصل محرمات کی حدود میں داخل ہونے کا راستہ ہیں۔لہذا جو مشتبہ امور میں پڑا اس کی گمراہی اور راہ راست سے بھٹکنے کا خدشہ ہر وقت رہتا ہے۔

حدیث نمبر (۱۵)

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: ما نقصت صدقة من مال، وما زاد الله عبدا بعفوٍ الا عزا، وما تواضع أحد لله الا رفعه الله ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، صدقہ سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی، اور (اللہ سے) معافی طلب کرنے سے اللہ بندے کی عزت بڑھاتا ہے اور جو اللہ کے آگے عاجزی کرتا ہے اللہ اسے (دنیا والوں کے سامنے) سربلند فرماتا ہے۔

تشریح

تمہید:

اس حدیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ نے تین نکات بیان فرمائے ہیں:

اول یہ کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔

دوسرا یہ کہ معاف کرنے والا اللہ کے ہاں عزت کا مستحق ہے۔

تیسرا یہ کہ غیر اللہ کے آگے جھکنا انسانیت کی توہین ہے۔

پہلا نکتہ۔صدقہ کی برکت:

حدیث کا اولین حصہ "صدقے" سے متعلق ہے۔بعض لوگوں کو شیطان یا نفس امارہ یہ بات سمجھاتا رہتا ہے کہ زکوۃ، فطرہ، عشر یا دیگر نفلی مالی صدقات سے انسان کا مال کم ہو جاتا ہے لہذا کنجوسی، بخل اور امساک سے کام لیتے ہیں اور اللہ کی راہ میں پیسے خرچ کرنے سے کتراتے ہیں اور طرح طرح کے حیلے بہانوں کا سہارا تلاش کرتے ہیں اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے ان کی غلط فہمی رفع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے فضل سے اس میں برکت ہوتی ہے اور اضافہ ہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ "زکوۃ" کے معنی پاکیزگی، نشوونما اور اضافے (Growth) کے ہیں۔جس سے یہ کنایہ ہے کہ زکوۃ ادا کرنے سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مال پاک ہو جاتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مال میں اللہ کی قدرت سے برکت پیدا ہوتی ہے۔ یہ برکت یا اضافہ خالص مادی اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے اور اجر وثواب کے اعتبار سے بھی۔اور یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ جو مال اللہ کی راہ میں دیا وہ ضائع ہوا بلکہ درحقیقت وہی سب سے محفوظ مال ہے کیونکہ وہ اللہ کی امانت اور تحفظ میں چلا جاتا ہے اور اللہ سے بڑا امین اور کوئی نہیں ہو سکتا۔قرآن میں ارشاد باری ہے:

''اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ کو قرض حسنہ دو اور جو کچھ تم اپنے لئے سامان خیر آگے بھیجو گے (یعنی آخرت کے لئے) تو تم اسے اللہ کے پاس خیر اور اجر وثواب کے اعتبار سے نہایت عظیم پاؤ گے''

M.HARIS BASIM

دوسرا نکتہ۔معاف کرنے کی اہمیت:

دوسری بات جو اس حدیث میں تعلیم فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ اگر کوئی انسان تکلیف کا بدلہ لینے کی طاقت ہونے کے باوجود بدلہ نہیں لیتا اور اللہ کی خاطر معاف کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کا مقام و مرتبہ اللہ کی نظر میں بڑھ جاتا ہے۔ عام خیال یہ کیا جاتا ہے کہ جو بدلہ نہ لے وہ بزدل اور کمزور ہے۔ اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے یہ غلط فہمی دور فرمادی اور واضح الفاظ میں یہ تعلیم دی کہ معاف کرنے والے کو ذلت کی نگاہ سے مت دیکھو کیونکہ اللہ کی بارگاہ میں معاف کرنے سے عزت میں اضافہ ہوتا ہے کمی نہیں ہوتی۔

تیسرا نکتہ۔تواضع کی اہمیت:

تیسری بات جو تعلیم فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے سامنے جھکنا انسان اور انسانیت کی توہین ہے، تحقیر ہے اور تذلیل ہے، لیکن اللہ کے سامنے جھکنا (عبادت کی نیت سے اور گناہوں کی معافی کے لئے) توبہ کرنا، استغفار کرنا، اس کے رسول کی اطاعت و محبت میں سر تسلیم خم کرنا، تواضع و انکسار کرنا، اس میں بندے کی توہین نہیں بلکہ تعظیم ہے۔ ذلت نہیں عزت ہے۔ جو بندہ اپنے رب کے سامنے جبین نیاز کو جھکاتا ہے، اللہ اسے عزت و عظمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ جو خالق کے سامنے سرنگوں ہوتا ہے، اسے وہ خلق کے سامنے سر بلند فرماتا ہے۔ اور بندگی کے تو معنی ہی خالق و معبود کے سامنے تواضع و انکسار، تذلل اور تضرع کے ہیں۔

حدیث نمبر (۱۶)

عن أبی رفاعة تمیم بن أسید رضی الله عنه قال : انتهیت الی رسول الله ﷺ وهو یخطب----------فقعد علیه رسول الله ﷺ وجعل یعلمنی مما علمه الله ثم أتی خطبته فأتم آخرها۔ (رواه مسلم)

ترجمہ

ابو رفاعہ تمیم بن اسیدؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں رسول اکرم کے پاس ایسے وقت پہنچا کہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ایک اجنبی شخص آیا ہے اور اپنے دین کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے وہ اپنے دین کے بارے میں کچھ جانتا نہیں، تو سرور عالم ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے، آپ نے خطبہ چھوڑا اور (منبر سے اتر کر) میرے پاس چلے آئے، پھر ایک کرسی لائی گئی اور آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور مجھے احکام دین تعلیم فرمانے لگے جو اللہ نے آپ کو تعلیم فرمائے تھے۔ پھر آپ خطبے کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے مکمل کیا۔

تشریح

تمہید:

اس حدیث میں اور پچھلی حدیث میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ ہے ''تواضع اور انکسار'' کی تعلیم۔ پہلی حدیث میں حضور ﷺ کی زبانی تعلیم کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں انتہائی تواضع اور انکسار پر مبنی آپ کے عمل مبارک کا ذکر ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے طرز عمل سے مثال پیش کی گئی ہے اور یہ بتایا کہ اللہ کے رسول جو مسلمانوں کو ارشاد فرماتے تھے ان کا اپنا عمل بھی اس کے مطابق ہوتا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہوتا۔

M.HARIS BASIM

سرکارِ دوعالم ﷺ کا طرزِ عمل:

انسانی فطرت ہے کہ خطبہ اور خطاب کے وقت انسان کی طبیعت اپنی جوانی پر ہوتی ہے وہ دوران تقریر مداخلت کو اپنی توہین سمجھتا ہے اور اس پر اظہار ناراضگی کرتا ہے مگر اللہ کے رسول کا طرز عمل دیکھو کہ ایک اجنبی شخص آتا ہے، تقریر کے دوران مداخلت کرتا ہے، حضور ﷺ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی بجائے منبر سے اتر آتے ہیں سلسلہ خطاب وتقریر روک لیتے ہیں اور اسے دین کے مسائل پورے سکون سے سمجھاتے ہیں۔ اور اس کی پوری طرح تشفی کرنے کے بعد اپنا خطبہ مکمل فرماتے ہیں۔ دنیا کے معمولی سے معمولی خطیب یا مقرر سے اتنے بڑے انکسار اور تواضع کی توقع نہیں کی جاسکتی مگر سرور دع عالم ﷺ کا یہی حسن اخلاق وانکسار تھا جو سب کو آپ کا گرویدہ بنالیتا تھا حالانکہ آپ جو خطبہ ارشاد فرمارہے تھے وہ بھی امور دین سے متعلق تھا۔

خطاب میں توقف:

آپ کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ کسی دینی غرض سے سلسلہ خطاب روکنا اور کچھ دیر کے لئے موقوف کرنا جائز ہے۔ اور اجنبی کو آپ نے یا صحابہ کرام میں سے کسی نے ڈانٹ ڈپٹ اس لئے نہیں فرمائی کہ وہ غالباً اس وقت تک آداب مجلس اور آداب بارگاہ نبوت سے ناواقف تھا۔ اور آپ کے اخلاق کریمہ کی برکت سے وہ شرف صحابیت سے مشرف ہوا۔

دین کی تعلیم میں جلدی:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کو مشرف بہ اسلام کرنے یا ضروریات دین کی تعلیم دینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

حضور اکرم ﷺ کی نشست:

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجلس میں حضور کی نشست گاہ ذرا ممتاز اسی لئے رکھی جاتی تھی تاکہ اجنبی افراد کو پہچاننے میں آسانی ہو اور اس طرح آپ کے جاں نثار صحابہ کرام کے جذبہ عقیدت کی بھی تسکین ہوتی تھی۔

حدیث نمبر (۱۷)

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما قال: لم یکن رسول الله ﷺ فاحشا ولا متفحشا۔ وکان یقول: "إن من خیارکم أحسنکم أخلاقا"۔ (متفق علیه)

ترجمہ

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نہ تو گفتگو میں حد سے تجاوز فرماتے تھے اور نہ ہی بدکلامی فرماتے تھے، اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

تشریح

لفظی تشریح:

عربی زبان میں فحش اور فاحشہ کے معنی ہیں برا ہونا، قبیح ہونا، اسی طرح فاحش کے معنی ہیں قبیح، بداخلاق، بخیل اور حد سے تجاوز کرنے والا۔ یہ ایسا لفظ ہے کہ برائی اور بداخلاقی کی تمام صورتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام ممنوعات محرمات اور منکرات کی ممانعت کے لئے "ینهی عن الفحشاء والمنکر" کے الفاظ آئے ہیں اور ان کے مقابل عدل اور

M.HARIS BASIM

احسان اور" إيتاء" (جو سخاوت پر دلالت کرتا ہے) کے الفاظ ہیں۔

اخلاقِ حَسَنہ کی تعریف:

انسان پر دو طرح کے حقوق کی پاسداری لازم قرار دی گئی ہے۔ ایک حقوق اللہ، دوسرے حقوق العباد۔

حقوق اللہ سے مراد اللہ کے حقوق جن کو عبادات بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔ حقوق العباد سے مراد انسانوں کے ایک دوسرے پر حقوق، جن کو معاملات بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً مہمان نوازی، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی توقیر وغیرہ۔ اخلاقِ حسنہ کا مطلب ہے کہ انسان حقوق اللہ کو بھی پورے طریقے سے ادا کرے اور حقوق العباد کو بھی مکمل طور پر انجام دے اور ان دونوں میں سے کسی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتے۔

اعلیٰ اخلاق کی فضیلت:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ شر اور بد اخلاقی کی تمام صورتوں سے اجتناب فرماتے تھے اور خیر اور حسن اخلاق کی تمام صورتیں مثلاً عدل و احسان، جود و سخا اور عفت و حیا وغیرہ آپ میں موجود تھیں، جو آپ کی شخصیت کو باعزت، بارعب اور پروقار بنائی تھیں۔ چنانچہ آپ نے اس حدیث میں حسن اخلاق کو انسان کے لئے وجہ فضیلت قرار دیا ہے۔

اخلاقِ حَسَنہ حدیث کی روشنی میں:

(۱) ایک حدیث میں فرمایا کہ:

"میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔"

(۲) ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ:

"تم میں سے قیامت میں میرے قریب ترین شخص وہ ہوگا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔"

حدیث نمبر (۱۸)

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال : سئل رسول الله ﷺ عن أكثر ما يدخل الناس الجنة، قال: "تقویٰ الله وحسن الخلق"، وسئل عن اكثر ما يد خل الناس النار، فقال: "الفم والفرج"۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے ان امور کے بارے میں پوچھا گیا جو عام طور پر جنت میں داخل ہونے کا باعث بنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کا تقوی اور حسن اخلاق"، اور آپ سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جو اکثر جہنم میں داخلے کا باعث بنتے ہیں تو آپ نے فرمایا: "منہ اور شرم گاہ"۔

تشریح

جنت میں لے جانے والی اشیاء:

اس حدیث مبارکہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے تقوی اور اچھے اخلاق کو جنت میں لے جانے والی اشیاء قرار دیا ہے یعنی جو شخص تقویٰ اور اخلاق حسنہ کو اختیار کرے اسے جنت کی ضمانت دی گئی ہے۔

M.HARIS BASIM

(۱) تقویٰ کی تعریف:

تقویٰ کے لفظی معنی ''بچنا'' ہیں۔شریعت کی اصطلاح میں گناہوں سے بچنے کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔قرآن نے تقویٰ کو اللہ کی بارگاہ میں عزت ومرتبہ کا سبب قرار دیا ہے۔چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ.

ترجمہ: ''بے شک اللہ کے نزدیک تم سب سے زیادہ قابلِ احترام وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو''۔

(پارہ۲۶: حجرات)

(۲) اچھے اخلاق کی تعریف:

انسان پر دو طرح کے حقوق کی پاسداری لازم قرار دی گئی ہے۔ایک حقوق اللہ، دوسرے حقوق العباد۔

حقوق اللہ سے مراد اللہ کے حقوق جن کو عبادات بھی کہا جاتا ہے۔مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔حقوق العباد سے مراد انسانوں کے ایک دوسرے پر حقوق، جن کو معاملات بھی کہا جاتا ہے۔مثلاً مہمان نوازی، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی توقیر وغیرہ۔اچھے اخلاق کا مطلب ہے کہ انسان حقوق اللہ کو بھی پورے طریقے سے ادا کرے اور حقوق العباد کو بھی مکمل طور پر انجام دے اور ان دونوں میں سے کسی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتے۔

جہنم میں لے جانے والی اشیاء:

اس حدیث میں بتایا گیا ہے ''منہ اور شرم گاہ'' انسان کو جہنم میں لے جانے کا باعث بنتے ہیں۔ایک اور حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

> ''جو شخص مجھے ان دو چیزوں کی ضمانت دے دے جو اس کی دو داڑھوں کے درمیان ہے اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی زبان اور شرم گاہ) تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

خیر وشر کے محرکات:

دراصل خیر وشر کے محرکات اور عوامل انسان کے ذہن اور دل و دماغ میں پیدا ہوتے ہیں جو انسان کو کسی عمل خیر یا شر پر ابھارتے ہیں اور دو اعضاء یعنی زبان اور شرم گاہ ایسے آلات ہیں جو خیر اور شر کے بارے میں انسانی ذہن کے فیصلوں کو نافذ کرتے ہیں۔لہذا اسلام چاہتا ہے کہ یہ دو اعضاء بے لگام نہ ہوں۔انہیں شریعت کی حدود وقیود کے دائرے میں رہتے ہوئے نفس کے جذبات ،تقاضوں، خواہشات اور شہوت کی تکمیل کرنی چاہیے ایسا نہ ہو کہ حلال وحرام کی تمیز ہی باقی نہ رہے۔

زبان اور شرم گاہ کے گناہ:

بہت سی ایسی برائیاں ہیں جن کا صدور ان دو اعضاء سے ہوتا ہے مثلاً جھوٹ، غیبت، چغل کوری، بہتان تراشی، الزام تراشی، طعن وتشنیع، جھوٹی پروپیگنڈہ بازی، افواہ سازی ظالمانہ احکام کا اجراء، بے حیائی، بدکاری وغیرہ۔لہذا اگر مسلمان کی زبان اور شرم گاہ پر شریعت کا کنٹرول ہو جائے تو اس کے جنتی ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ شہوت نفسانی کی تکمیل میں بے لگام ہو جانا اور حلال وحرام کی تمیز روا نہ رکھنا انسانی خصلت نہیں بلکہ خالص حیوانی خصلت ہے۔

M.HARIS BASIM

حدیث نمبر (۱۹)

عن جابر رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال : إن من أحبكم إلیّ وأقربكم منی مجلسا یوم القیامة أحاسنكم أخلاقا----------عن عبد الله بن المبارك رحمه الله فی تفسیر حسن الخلق قال: هو طلاقة الوجه، وبذل المعروف و كف الأذی۔

ترجمہ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا" تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے روز مجھ سے قریب ترین نشست پر وہ فائز ہوگا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ اور تم میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے روز مجھ سے بعید ترین وہ لوگ ہوں گے جو ہر وقت بک بک کرتے رہتے ہیں اور تکبر اور اپنی فصاحت و بلاغت کے اظہار کے لئے منہ بنا بنا کر طویل گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ اور متفیہقون ہیں۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! " ثرثاروں "اور "متشدقون" کا مفہوم تو سمجھ لیا مگر یہ " متفیہقون "کون لوگ ہیں؟

آپ نے فرمایا" یہ متکبر لوگ ہیں"۔ آگے چل کر امام نووی نے امام ترمذی کا قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے عبداللہ بن المبارک سے روایت کی ہے کہ حسن اخلاق کے معنی ہیں، خندہ پیشانی سے پیش آنا، نیک برتاؤ اور ایذا رسانی سے گریز کرنا۔

تشریح

مشکل الفاظ کے معانی:

امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث میں تین مشکل الفاظ کے معنی خود بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ثرثار : تکلف و تصنع کے ساتھ طویل گفتگو کرنا، یعنی خود ہی بک بک کرتے رہنا اور دوسرے کو نہ سننا۔

۲۔ المتشدق: تکبر اور غرور کے ساتھ منہ پھیلا پھیلا کر اور باچھیں کھول کر باتیں کرنا اور بزعم خویش اپنی فصاحت کے جوہر دکھانا۔

۳۔ متفیهق: منہ پھیلا کر باتیں کرنا، تکبر اور دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کیلئے منہ بنا بنا کر عجیب و غریب انداز سے باتیں کرنا۔

اچھے اخلاق کی تعریف:

انسان پر دو طرح کے حقوق کی پاسداری لازم قرار دی گئی ہے۔ ایک حقوق اللہ، دوسرے حقوق العباد۔

حقوق اللہ سے مراد اللہ کے حقوق جن کو عبادات بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔ حقوق العباد سے مراد انسانوں کے ایک دوسرے پر حقوق، جن کو معاملات بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً مہمان نوازی، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی توقیر وغیرہ۔ اچھے اخلاق کا مطلب ہے کہ انسان حقوق اللہ کو بھی پورے طریقے سے ادا کرے اور حقوق العباد کو بھی مکمل طور پر انجام دے اور ان دونوں میں سے کسی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتے۔

M.HARIS BASIM

اچھے اخلاق کا انعام:

اس حدیث پاک میں رسول اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اخلاق اچھے ہوں گے وہ اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہو اور اسے آخرت میں حضور ﷺ کا قرب نصیب ہوگا جو ایک مومن کے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے۔

کج خلقی کی سزا:

اچھے اخلاق کے برعکس بداخلاق شخص اللہ اور اس کے رسول کے غضب کا شکار ہوگا۔ اور قیامت میں وہ نبی اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ دور ہوگا۔ اور اللہ کے پیارے حبیب اس سے نفرت کریں گے۔ اور پھر بداخلاقی کی علامات حضور ﷺ نے بتلائیں۔ جن کی تشریح سطور بالا میں بھی کی جا چکی ہے۔

حدیث نمبر (۲۰)

عن عائشة رضی الله عنها قالت: ما خير رسول الله ﷺ بين أمرين قط إلا أخذ أيسرهما ما لم يكن آثما، فإن كان إثما كان أبعد الناس منه، وما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه فی شیءٍ قط إلا أن تنتهك حرمة الله فينتقم الله تعالیٰ۔ (متفق عليه)

ترجمہ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو جب کبھی بھی دو چیزوں میں اختیار دیا گیا، آپ نے آسان صورت کو اختیار فرمایا بشرطیکہ وہ باعث گناہ نہ ہو۔ ہاں البتہ اگر وہ گناہ ہوتی تو آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر اس سے دوری اختیار فرماتے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی بات میں اپنی ذات کی خاطر انتقام نہیں لیا۔ مگر جب اللہ تعالی کی حرمت کو توڑ دیا جاتا تو آپ اللہ (کے محرمات کے تقدس واحترام کو پامال کرنے کے جرم میں) کیلئے اس سے انتقام لیتے۔

تشریح

سیرت مبارکہ کے دو روشن پہلو:

اس حدیث پاک سے رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے دو روشن پہلو سامنے آتے ہیں۔

۱۔ آسان صورت کا انتخاب۔

۲۔ آپ ﷺ کی رحمت وشفقت۔

(۱) آسان صورت کا انتخاب:

ایک تو یہ کہ جب بھی آپ کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا آپ نے دونوں میں آسان صورت کو اختیار فرمایا۔ اس سے اسلام کا یہ نظریہ بھی سامنے آتا ہے کہ اسلام اپنے فرامین واحکامات اور تعلیمات کے ذریعے اپنے ماننے والوں کے لئے دشواری نہیں پیدا کرتا۔ یا ایسا محکم نہیں دیتا جس پر عمل کرنا انسان کے لئے دشوار ہو جائے اور وہ انسانی طاقت سے باہر ہو۔

یسر اور آسانی قرآن کی روشنی میں:

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن میں جا بجا آسانی اور یسر کی تعلیم دی ہے اور انسان کو اس بات کا احساس دلایا ہے کہ خدا انسان کو

M.HARIS BASIM

آسان راستے پر چلانا چاہتے ہیں مشکل راستے پر نہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(۱) لا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَھَا

''اللہ کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا''

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

(۲) وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِیْ الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ

''اللہ نے تمہارے لئے دین میں تنگی نہیں رکھی''

ایسے ہی ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

(۳) یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ

''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا''

یسر اور آسانی احادیث کی روشنی میں:

اسی طرح حضور ﷺ نے بھی احادیث مبارکہ میں یسر اور آسانی کی تعلیم دی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

(۱) الدین یسر۔

''دین میں آسانی ہے۔''

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

(۲) یسروا ولا تعسروا

''دین کی آسان کر کے پیش کرو مشکل بنا کر پیش نہ کرو۔''

آسانی اختیار فرمانا اپنی ذات کیلئے نہ تھا:

یہاں یہ امر ملحوظ ہے کہ حضور ﷺ کا آسانی اختیار فرمانا اپنی ذات کے لئے نہیں تھا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ہمت و استقامت سے نوازا تھا چنانچہ آپ صوم وصال (مسلسل روزے) بھی رکھا کرتے تھے جو عام انسانوں کے بس کی بات نہیں بلکہ آپ کا ''یسر'' کو اختیار فرمانا امت کی آسانی کے لئے تھا کیونکہ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے۔

''تمہارا (مسلمانوں کا) تکلیف میں پڑ جانا رسول کو گراں گزرتا ہے۔''

(۲) آپ ﷺ کی رحمت وشفقت:

حضور ﷺ کی سیرت کا دوسرا رخ آپ کی رحمت عامہ ہے آپ بے پناہ مہربان اور شفیق تھے اور آپ کی رحمت وشفقت کا عالم یہ تھا کہ آپ نے اپنے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو معاف فرمایا، اور کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کے عزم، استقامت اور اولوالعزمی کا عالم یہ تھا کہ آپ اللہ اور دین کے مخالفین اور حدود الٰہیہ کو توڑنے والوں کو کبھی معاف نہیں فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ اگر آپ خدانخواستہ ایسا کرتے تو یہ رحمت نہ ہوتی بلکہ کمزوری کی دلیل ہوتی جس کا آپ کی ذات سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور آپ خود ہی تو حدود الٰہیہ کو قائم فرمانے والے تھے اگر آپ خود ہی ان کے تقدس کو پامال کرنے والوں سے رعایت برتتے تو پھر کون تھا جو ان کی پاسبانی کرتا۔ اس سلسلہ میں فاطمہ مخزومیہ کی چوری کا واقعہ ایک روشن مثال ہے۔

HARIS BASIM

باب دوم:
دین اسلام
عقائد و عبادات

M.HARIS BASIM

سوال: عقیدہ توحید کی وضاحت کریں۔ انسانی زندگی پر اس کے انفرادی اور اجتماعی اثرات بیان کریں۔

عقیدۂ توحید

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

عقیدہ:

عقیدہ کے لغوی معنی ہیں ''گرہ لگانا'' یا ''باندھنا''

شریعت کی اصطلاح میں انسان کے پختہ و اٹل نظریات ''عقائد'' کہلاتے ہیں۔

توحید:

توحید کے لغوی معنی ہیں ''ایک ماننا''۔

اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور صفتی تقاضوں میں اللہ تعالیٰ کو یکتا جاننا اور کسی کو شریک نہ ٹھہرانا توحید کہلاتا ہے۔

عقیدہ توحید کی وضاحت:

توحید کی تین قسمیں ہیں۔

(i) ذات میں توحید: یعنی خدا اپنی ذات میں واحد یکتا ہے۔

(ii) صفات میں توحید: یعنی خدا اپنی صفات کا واحد مالک ہے۔

(iii) صفت کے تقاضوں میں توحید/عبادت میں توحید: اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ تمام نوع انسانی سے اس بات کی متقاضی ہیں کہ ایک اللہ کا حکم ماننا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

توحید اور شرک میں فرق:

توحید کا مطلب ہے اللہ کو ذات و صفات میں یکتا ماننا جبکہ شرک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک ٹھہرانا۔

عقیدۂ توحید قرآن کی روشنی میں:

(i) قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ .

ترجمہ: کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے۔ (سورۃ الاخلاص: ۱)

(ii) وَإِلَـٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ .

ترجمہ: اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۶۳)

(iii) لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا .

M.HARIS BASIM

ترجمہ: اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے۔ (سورۃ الانبیاء: ۲۲)

عقیدۂ توحید احادیث کی روشنی میں:

(i) يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لا إِلٰهَ إِلّا اللهُ

ترجمہ: جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا، جہنم سے نکال دیا جائے گا۔

(ii) ترجمہ: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا'' (سنن نسائی)

عقیدۂ توحید کے انسانی زندگی پر اثرات

انفرادی زندگی پر توحید کے اثرات:

عقیدۂ توحید انسان کی عملی زندگی میں دیرپا انقلاب برپا کرتا ہے اور انسان کی زندگی مندرجہ ذیل اثرات مرتب کرتا ہے۔

۱۔ جذبۂ خودداری:

عقیدۂ توحید کا حامل شخص خوددار ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کی قدرت سے ممکن ہے اس لیے وہ اپنی تمام ضروریات کے لیے خدا ہی کے دربار سے رجوع کرتا ہے۔ وہ غیروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے مہلک مرض سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جب جب ضرورت پڑتی ہے صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔

۲۔ وسعت نظری:

تنگ نظری انسانی فطرت کا حصّہ ہے لیکن عقیدہ توحید پر یقین رکھنے والا شخص چونکہ اللہ کی کائنات میں غور و فکر کرتا ہے اور کائنات کی وسعت و کشادگی کا بذات خود مشاہدہ کرتا ہے تو اس کی تنگ نظری وسعت نظری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ عقیدہ توحید کا حامل شخص وسیع النظر اور دقیق القلب ہوتا ہے۔

۳۔ قوت و شجاعت:

جو شخص عقیدہ توحید پر یقین رکھتا ہے اسے کسی اور کا ڈر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ''جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا''۔ توحید کی دولت سے مالا مال شخص اپنی ذات اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، نتیجۃً ہر موڑ پر خدا کی مدد و نصرت اس کے ساتھ رہتی ہے، اس طرح وہ بہادر اور شجاع بن جاتا ہے۔

۴۔ رجائیت:

کامیاب انسان کی زندگی بیم و رجاء یعنی خوف اور امید کے درمیان چلتی ہے۔ عقیدہ توحید کا حامل شخص کسی حال میں مایوس نہیں ہوتا بلکہ دکھ اور سکھ دونوں کو اللہ کی جانب سے سمجھ کر صبر و شکر کا مظاہرہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم ہے:

''لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللهِ.''

ترجمہ: ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔''

چنانچہ عقیدہ توحید رکھنے والا شخص مایوسی کو بالائے طاق رکھ کر اللہ کے دربار میں سجدہ ریز ہو کر اپنی حاجت روائی کے لیے

M.HARIS BASIM

دعا کرتا ہے۔

۵۔اطمینان قلب:

نوع انسانی کے قلوب کا سکون واطمینان اللہ کے ذکر ہی میں مضمر ہے۔جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

"أَلاَ بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب."

ترجمہ: ''خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔'' (سورۃ الرعد: ۲۸)

عقیدہ توحید رکھنے والا شخص ہمہ وقت اللہ کے ذکر مشغول رہ کر اپنے دل کو مطمئن رکھتا ہے۔

۶۔تہذیب نفس:

انسانی نفس ہر حال میں تہذیب و تنقیح کا محتاج ہوتا ہے۔عقیدہ توحید انسانی نفوس میں سے غیر اللہ کے اثرات کو ختم کر کے انسان کی تہذیب میں اہم اور اساسی کردار ادا کرتا ہے۔

۷۔عجز وانکساری:

عقیدہ توحید رکھنے والا شخص یوں تو لوگوں سے بے نیاز ہوتا ہے لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی خطاؤں اور گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتا ہے اور خود کو غرور اور تکبر جیسی روح کی گھناؤنی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

۸۔صبر وتوکل:

عقیدہ توحید سے انسان میں صبر وتوکل کی بے پناہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان ہر قسم کی کوشش چھوڑ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو جائے بلکہ اچھے مقاصد کے لیے حتی المقدور کوشش کرے اور نتیجہ کو خدا پر چھوڑ دے۔

"وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ"

ترجمہ: ''جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو وہی اس کے لیے کافی ہے۔'' (سورۃ طلاق: ۳)

۹۔تقویٰ وپرہیزگاری:

عجز وانکساری اور صبر وتوکل جیسے اوصاف حمیدہ کے پیدا ہو جانے سے عقیدہ توحید کا حامل شخص اپنے کردار اور رویہ کو اللہ اور اس کے رسول کے عین مطابق بنا لیتا ہے۔اسے پکا یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے لہٰذا وہ خلوت وجلوت میں کہیں بھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا۔اور تقویٰ کے سبب اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے ہر کام میں آسانیاں پیدا فرماتے ہیں۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"وَمَن يَتَّقِ اللهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً"

ترجمہ: ''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لئے مشکل سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا۔'' (سورۃ طلاق: ۲)

اجتماعی زندگی پر توحید کے اثرات

انفرادی زندگی کی طرح عقیدہ توحید کے حامل معاشرہ پر بھی توحید کے گرانقدر اثرات مرتب ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

M.HARIS BASIM

۱-اللہ کی حاکمیت:

جس معاشرہ میں رہنے والے عقیدہ توحید پر یقین رکھتے ہوں وہاں کسی چنگیز و تیمور کی نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ واحد کی حاکمیت قائم ہوتی ہے۔اسی کے حکم کردہ امور کو حق اور سچ قرار دیا جاتا ہے اور اس کے منع کردہ امور باطل سمجھ کر ترک کیا جاتا ہے۔

"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ"

ترجمہ: "حکم تو صرف اللہ ہی کا (چلتا) ہے۔" (سورۂ یوسف: ۴۰)

۲-اخوت (بھائی چارگی):

اسلام نے ہمیشہ اخوت اسلامی اور وحدت کا درس دیا ہے۔طلوع اسلام سے پہلے عرب نفرتوں اور فرقہ وارانہ فساد میں گھرے ہوئے تھے۔ذرا ذرا سی باتوں پر تلواریں بے نیام ہو جاتی تھیں۔یہ عقیدۂ توحید ہی تھا جس کے سبب اور آپ ﷺ کے پیغام توحید کی بدولت ان کے پتھر دل موم ہو گئے اور ان پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ وہ سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔قرآن نے کہا:

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ."

"بے شک مومن (آپس میں) بھائی بھائی ہیں۔" (سورۃ الحجرات: ۱۰)

۳-حدود اللہ کی پاسداری:

عقیدہ توحید کے حامل معاشرے میں اللہ کی حدود کا قیام یقینی بنایا جاتا ہے اور کسی مجرم کو معاف نہیں کیا جاتا، چاہے وہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔جس کی بدولت تخریب کار اور مفسدین ہر طرح کے دنگا فساد سے پرہیز کرتے ہیں اور معاشرے میں امن و سلامتی کا ماحول قائم ہوتا ہے۔قرآن پاک میں خدائے ذوالجلال نے جا بجا حدود اللہ کی پاسداری کا حکم صادر فرمایا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

ترجمہ: یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں، لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو۔اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۹)

۴-پرامن ماحول:

جب حدود اللہ کا قیام حتی الوسع ممکن بنایا جائے تو کشیدگی اور ماحول کی بدمزاجی امن و آشتی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ہر مجرم جانتا ہے کہ اگر جرم کیا تو سزا بھگتنی پڑے گی لہٰذا وہ ہر جرم سے دور رہتا ہے جس کے نتیجے میں معاشرے میں امن کا قیام ممکن ہو جاتا ہے۔یہ بھی عقیدۂ توحید ہی کی مرہونِ منت ہے۔

۵-پاکیزہ معاشرہ:

جس طرح عقیدہ توحید انسان کی انفرادی زندگی پر اثرات مرتب کرتا ہے بالکل ویسے ہی اجتماعی زندگی پر بھی اس کے نہایت ہی پاکیزہ اثرات مرتب ہوتے ہیں جس کا ثمرہ ایک پاکیزہ معاشرے کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

☆.....☆.....☆

M.HARIS BASIM

سوال: عقیدۂ رسالت کی اہمیت بیان کریں۔ انبیاء کرام کی خصوصیات تحریر کریں.....یا.....رسالت محمدی ﷺ کی خصوصیات بیان کریں۔

عقیدہ رسالت

عقیدہ:

عقیدہ کے لغوی معنی ہیں ''گرہ لگانا'' یا ''باندھنا''۔

شریعت کی اصطلاح میں انسان کے پختہ واٹل نظریات ''عقائد'' کہلاتے ہیں۔

رسالت:

رسالت کے معنی ہیں پیغام پہنچانا۔

اصطلاح میں رسالت سے مراد اللہ کے منتخب کردہ وہ لوگ ہیں جو عام انسانوں تک اللہ کے ترجمان کا کردار ادا کرتے ہیں اور وحی کے ذریعے احکام خداوندی بندوں تک منتقل کرتے ہیں۔

نبی ورسول میں فرق:

رسول سے مراد وہ نبی جسے مستقل شریعت اور کتاب دی گئی ہو جبکہ نبی کو نئی شریعت وکتاب عطا نہیں کی جاتی بلکہ وہ سابقہ شریعت کو ہی لے کر تبلیغ ودعوت کا کام کرتا ہے۔

عقیدۂ رسالت قرآن کی روشنی میں:

(i) وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ .

ترجمہ: ''ہر امت کے لیے ایک رسول ہے۔'' (سورۃ یونس: ۴۷)

(ii) اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ .

ترجمہ: ''اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت کس کے سپرد کرنی ہے۔'' (سورۃ الانعام: ۱۲۴)

(iii) وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ .

ترجمہ: ''اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اسی لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔'' (سورۃ النساء: ۶۴)

عقیدۂ رسالت احادیث کی روشنی میں:

(i) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ سوال کیا کہ انبیاء کتنے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار یا زیادہ میں نے سوال کیا: ان میں رسول کتنے ہیں تو فرمایا: تین سو تیرہ.....

M.HARIS BASIM

انبیاء کرام کی خصوصیات

انبیاء کرام میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

۱-بشریت/انسانیت:

انبیاء کرام کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ تمام انبیاء کا تعلق نوع بشر انسانی سے ہی رہا ہے کیونکہ انسانوں میں رہ کر اللہ کے احکامات کو عملی جامہ پہنانا کسی فرشتہ کے بس کی بات نہیں، اس کے لیے انسان ہی موزوں ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ سے بھی یہ اعلان کروایا گیا:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

ترجمہ: ''کہہ دیجئے کہ بے شک میں صرف تمہاری طرح کا بشر ہوں۔'' (سورۃ الکہف: ۱۱۰)

۲-معصومیت:

انبیاء کرام کی ایک اور خصوصیت یہ تھی تمام انبیاء ہر قسم کے صغیرہ وکبیرہ گناہ سے پاک رہے۔ یہ انبیاء کا ہی خاصہ ہے کہ نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد حضرات انبیاء سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ انبیاء کرام کے سوا کوئی معصوم نہیں۔

۳-حسن اخلاق:

بہترین اخلاق وہ کارآمد ہتھیار ہے جس کے ذریعے پتھر کو موم کیا جاسکتا ہے، نبوت ایک ایسا عمل ہے جس میں جہالت سے آئی انسانیت کو ہدایت کے چراغ دکھائے جاتے ہیں جس کے لیے حسن اخلاق کی بے پناہ ضرورت ہے۔ تمام انبیاء کرام اس روحانی اسلحہ سے لیس تھے۔

۴-وہبیت:

نبوت اک ایسا منصب ہے جو ذاتی جدوجہد اور سعی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں منتخب فرماتے ہیں۔ گویا نبوت کسبی نہیں بلکہ خداداد اعزاز ہے جو اللہ کے منتخب بندوں کو عطا کیا جاتا ہے۔

۵-زہد وتقویٰ:

اگرچہ نبوت ایک کسبی منصب نہیں ہے لیکن تمام انبیاء کرام بعثت ملنے سے پہلے ہی نہایت برگزیدہ اور متقی و پرہیزگار ہوتے ہیں، عام انسانوں کی بنسبت کہیں درجہ زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتے ہیں۔

۶-دعوت الی اللہ:

تمام انبیاء میں قدر مشترک یہ رہی کہ تمام انبیاء کا ایک ہی نعرہ اور ایک ہی دعوت تھی کہ:

قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ.

''کہہ دو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

تمام انبیاء کی ایک ہی دعوت رہی کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، اسی کے حضور سجدہ ریز رہو، اسی میں تمہاری کامیابی وکامرانی مضمر ہے۔

M.HARIS BASIM

۷۔ بہترین رہنما:

ہر نبی اپنی قوم کے لیے ایک مکمل اور بہترین رہنما کا کردار ادا کرتا ہے، تمام انسانوں کی بنسبت ایک نبی میں کہیں زیادہ قائدانہ صلاحیتیں ودیعت رکھی جاتی ہیں جن کو بروئے کار لا کر وہ اپنی قوم کی بہترین اصلاح کا انتظام کرتا ہے۔

۸۔ تعلیمات من جانب اللہ:

انبیاء کرام دین اور شریعت کی کوئی بھی بات کرتے ہیں اس میں ذرہ بھر بھی ان کی مرضی یا ذاتی رائے کا دخل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے انبیاء علیہم السلام تک اپنے احکامات وحی فرماتے ہیں اور تمام انبیاء اللہ کی طرف سے وحی کردہ احکام وتعلیمات ہی لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى ،إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى

ترجمہ: ''اور یہ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے، (بلکہ) ان کا ارشاد وحی ہی ہے جو ان بھیجی جاتی ہے۔'' (سورۃ النجم: ۳،۴)

۹۔ نبوت کا اصل مقصد:

نبوت کا اصل مقصد ''اعلائے کلمۃ اللہ'' رہا، یعنی زمین پر اللہ کا قانون جاری ہو جائے اور اللہ کا دین تمام ادیانِ باطلہ پر غالب آجائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔'' (سورۃ الصّف: ۹)

رسالت محمدیؐ کی خصوصیات

طلوع اسلام سے پہلے عرب جہالت کے اندھیروں میں گھرے ہوئے انتہائی پسماندہ، غیر مہذب، جاہل اور مشرکانہ رسومات کے پابند تھے۔ قتل وغارت گری، لوٹ مار، فحاشی کا دور دورہ تھا۔ ایسے میں خداوند تعالیٰ کو انسانیت پر رحم آیا اور حضور اقدس ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرما کر تاریکیوں میں ڈوبے عربوں کی ہدایت ورہنمائی کا انتظام فرمایا۔ بقول الطاف حسین حالی ؎

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت بڑھا جانبِ بو قبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

آپ ﷺ کی ذات اقدس ان خصوصیات کی بطور خاص حامل تھی:

۱۔ رسالت عامہ:

حضور اکرم ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء آئے ان کی رسالت ان کی قوم اور زمانے تک محدود رہی، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف اقوام میں مختلف انبیاء موجود رہے۔ لیکن جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو عالمگیر رسالت سے نوازا گیا جو کسی وقت، زمانہ یا قوم تک

محدود نہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ

ترجمہ: ''اور (اے پیغمبر) ہم نے تو آپ کو سارے ہی انسانوں کے واسطے رسول بنا کر بھیجا ہے۔'' (سورۃ سبا: ۲۸)

۲۔ سابقہ شریعتوں کی منسوخی:

شریعت محمدی میں نفاذ کے بعد پچھلی ساری شریعتوں کو منسوخ کر دیا گیا ہے، جن سے مراد شریعت موسوی (حضرت موسیٰ علیہ السلام)، شریعت عیسوی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور تمام شرائع سابقہ ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ''

ترجمہ: ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' (سورۃ آل عمران: ۸۵)

۳۔ حفاظت کتاب:

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام پر بہت سی کتابیں نازل کیں لیکن اہل کتاب نے ان آسمانی کتابوں کی اصلی شکل تبدیل کرتے ہوئے ان میں طرح طرح کی تحریفیں کر ڈالیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب ''قرآن مجید'' کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ اس میں کوئی شخص معمولی سی بھی تبدیلی و تحریف نہیں کر سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُون''

ترجمہ: ''بے شک ہم نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' (سورۃ الحجر: ۹)

۴۔ تکمیل دین:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کامل شریعت عنایت ہوئی۔ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ پر دین کی تکمیل ہوگئی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ.....

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا.....'' (سورۃ المائدۃ: ۳)

۵۔ ختم نبوت:

ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ نبوت کا وہ مبارک سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں سے چلتا ہوا آخر کار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اب کوئی حقیقی یا بروزی نبی نہیں آئے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ''

ترجمہ: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''

(سورۃ الاحزاب: ۴۰)

۶۔ معراج نبوی:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرش خداوندی پر طلب فرما کر آپ ﷺ سے ہم کلام ہوئے کسی نبی کو

M.HARIS BASIM

حضورﷺ کے سوا معراج کی فضیلت سے نہیں نوازا گیا۔ اسی رات مومنوں پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئیں آپﷺ نے تمام انبیاء علیہ السلام کی امامت فرمائی۔ وہیں سے آپ کو ''امام الانبیاء'' کا لقب ملا۔ قرآن نے معراج نبوی کے واقعہ کو کچھ یوں بیان کیا ہے:

'' سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِہِ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی''

ترجمہ: ''پاک ہے وہ (ذات) جو اپنے بندے (محمدﷺ) کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔''

(سورۃ بنی اسرائیل: ۱)

۷۔ جامعیت:

حضور اکرمﷺ کی سیرت محمدی کو بدرجہ اتم جامعیت حاصل ہے۔ پچھلے تمام انبیائے کرام کی خصوصیات آپﷺ کی سیرت میں موجود ہیں۔ یوسفؑ کا حسن، ایوبؑ کا صبر، موسیٰؑ کا جلال وصفتِ کلیم اللہ، ابراہیمؑ کی صفتِ خلیل اللہ.....تمام صفات حضور اقدسﷺ کی سیرت میں پائی جاتی ہیں۔ حسنِ یوسف کو سامنے رکھ کر آپﷺ کے حسن کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

لوامي زليخا لورأين جبينه لقطعن قلوبهن بأيديهن

یعنی زلیخا کو ملامت کرنے والی زنانِ مصر (جنہوں نے یوسفؑ کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹی تھیں) اگر میرے محبوب کا چہرہ انور دیکھتیں تو یقیناً اپنے دلوں کو کاٹ ڈالتیں۔

۸۔ مقام محمود:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود پر فائز کیا گیا۔ قیامت میں آپﷺ کو ایک مخصوص مقام عطا کیا جائے گا۔ وہ مقام و مرتبہ کیسا ہوگا؟ اس کی تفصیل تو کہیں مذکور نہیں۔ البتہ وہاں آپ کا مقام سب سے برتر اور ممتاز ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''عَسَی أَن یَبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوداً''

ترجمہ: ''قریب ہے آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کردے۔'' (سورۃ بنی اسرائیل: ۷۹)

۹۔ رحمۃ للعالمین:

آپﷺ نے دنیا کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر اس کے عذاب سے بچایا۔ ایک اللہ کی عبادت اور اس سے محبت سکھائی۔ ایک ایسا نظام زندگی دیا جو انسانیت کو امن وسلامتی کی طرف لے جاتا ہے اور نوع انسان کیلئے سراسر رحمت ہے، اس طرح آپﷺ تمام جہانوں کیلئے اللہ رحمت ثابت ہوئے۔

رحمت للعالمین کا مطلب ہے تمام جہانوں کیلئے رحمت۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمﷺ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا۔ ارشاد ہے:

''وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ''

ترجمہ: ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو سوائے اس کے کہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔'' (سورۃ الانبیاء: ۱۰۷)

۱۰۔ مکمل ضابطۂ حیات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیمات اپنے اصحاب کو دی وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ جس میں عبادات، معاملات، اخلاقیات، شادی، غمی غرض زندگی کے سارے معاملات میں ان سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد

M.HARIS BASIM

ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

ترجمہ: "بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی ذات) میں بہترین نمونہ (سیرت) ہے۔" (سورۃ الاحزاب: ۲۱)

۱۱۔ خیر الامم (بہترین امت):

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ساری امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے کیونکہ اس امت کو انبیاء کی سنت یعنی دعوت الی اللہ سے نوازا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ"

ترجمہ: "تم سب سے بہترین امت ہو (جو لوگوں کے لیے نکالی گئی) کہ نیک کام کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔" (سورۃ آل عمران: ۱۱۰)

☆.....☆.....☆

سوال: عقیدہ آخرت کی وضاحت کریں۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اس کے اثرات بیان کریں۔

عقیدہ آخرت

عقیدہ:

عقیدہ کے لغوی معنی ہیں "گرہ لگانا" یا "باندھنا"۔

شریعت کی اصطلاح میں انسان کے پختہ واٹل نظریات "عقائد" کہلاتے ہیں۔

آخرت:

آخرت کے لغوی معنی ہیں "بعد میں آنے والی چیز"۔

اصطلاح میں آخرت کا مفہوم یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان ہمیشہ کیلیے فنا نہیں ہو جاتا بلکہ ایک وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ اس کی روح اس میں ڈال کر اسے دوبارہ زندہ کریں گے۔

دنیا و آخرت میں فرق:

دنیا و آخرت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دنیا دار العمل ہے یعنی کام اور عبادات کرنے کی جگہ ہے، اور آخرت دار الجزاء ہے یعنی وہاں دنیا میں کئے گئے اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

عقیدہ آخرت قرآن کی روشنی میں:

۱. وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى .

ترجمہ: "اور آخرت بہترین اور باقی رہنے والی (جگہ) ہے۔" (سورۃ الاعلیٰ: ۱۷)

۲. وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ .

M.HARIS BASIM

ترجمہ: ''اور حقیقت یہ کہ دارِ آخرت ہی اصل زندگی ہے۔'' (سورۃ العنکبوت: ۶۴)

۳. وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ .

ترجمہ: ''اور آخرت پر وہ (لوگ) مکمل یقین رکھتے ہیں۔'' (سورۃ البقرۃ: ۴)

عقیدہ آخرت احادیث کی روشنی میں:

(i) اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الآخِرَةِ .

ترجمہ: ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''۔

(ii) وَاللهِ مَا الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلَّا مِثْلَ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَا يَرْجِع .

ترجمہ: ''خدا کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبوئے اور پھر دیکھے کہ وہ انگلی کیا چیز لے کر واپس آئی۔ (مسلم)

(iii) ترجمہ: ''جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ ہمیشہ خوشحال رہیں گے''۔

عقیدہ آخرت کے انسانی زندگی پر اثرات

انفرادی زندگی پر عقیدہ آخرت کے اثرات:

عقیدۂ آخرت انسان کی عملی زندگی میں دیرپا انقلاب برپا کرتا ہے اور انسان کی زندگی مندرجہ ذیل اثرات مرتب کرتا ہے۔

۱- دنیا کی محبت سے نجات:

انسان کا اصلی گھر آخرت ہے لیکن بدقسمتی ہے آج انسان دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے جو کہ ہر برائی کی جڑ ہے جیسا کہ ارشا نبوی ہے۔

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ

ترجمہ: ''دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے''۔

عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے سے انسان کے دل سے دنیا کی محبت کا خاتمہ ہوتا ہے اور اسے دنیا کی محبت سے مکمل نجات مل جا تی ہے۔

۲- احساس جوابدہی:

عقیدہ آخرت پر یقیں رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ اسے آخرت میں خدا کے سامنے جوابدہ ہونا ہے لہٰذا وہ تمام اعمال کے صرف دنیاوی نتائج کو مدنظر نہیں رکھتا بلکہ اخروی نتائج کو سامنے رکھ کر خدا کے آگے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ

ترجمہ: ''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا'' (سورۃ النازعات: ۴۰)

۳- خوف خداوندی:

چونکہ عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے سے احساس جوابدہی پیدا ہو جاتا ہے اسلئے نتیجۃً دل میں اللہ کا خوف گھر کر جاتا ہے۔ اور انسان ہر عمل کو انجام دینے سے پہلے اچھی طرح اس کی جانچ پڑتا کرتا ہے اور ہر برے عمل سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

M.HARIS BASIM

۴۔ عجز وانکساری:

عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ اس نے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ چنانچہ وہ عجب اور تکبر جیسی مہلک بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور انکساری وتواضع اختیار کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اسے بلند مقام عطا فرماتے ہیں۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہ .

ترجمہ: جو اللہ کے لیے تواضع (عاجزی) اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند کر دیتے ہیں۔

۵۔ باری تعالیٰ سے ملاقات کا یقین:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آخرت میں مومنین کو اپنے دیدار سے مشرف کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے سے اس دیدار الٰہی کا یقین اور شوق بھی دل میں مچلنے لگتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ

ترجمہ: ''جو شخص اللہ کے ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ کا وہ معیّن وقت ضرور آنے والا ہے'' (سورۃ العنکبوت: ۵)

۶۔ اعمال صالحہ کی رغبت:

اعمال صالحہ سے مراد ہیں نیک اعمال، یعنی وہ اعمال جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پسند کردہ ہیں۔ عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے سے انسان کے دل میں نیکی کی رغبت اور بدی کی نفرت پیدا ہوتی ہے اور انسان وہی اعمال اختیار کرتا ہے جو آخرت میں اسکی نجات کا سبب بنیں۔

مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ

ترجمہ: ''جو شخص اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہے اور کارگذاری اچھی کرے تو ایسوں کیلئے ان کے رب کے پاس ان کا حق الخدمت بھی ہے'' (سورۃ البقرۃ: ۶۲)

۷۔ سوچ میں مثبت تبدیلی:

انسان کی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ ظاہری چمک دمک سے بہت جلدی متاثر ہو جاتی ہے۔ اور انسان دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے۔ لیکن عقیدہ آخرت انسان کی سوچ میں مثبت تبدیلی پیدا کرتا ہے اور انسان تمام امور کے ظاہری نہیں بلکہ حقیقی اور دائمی نتائج پر غور کرتا ہے۔

۸۔ آخرت ہی اصلی گھر:

عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے والے شخص کو اس بات پر کامل یقین ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور آخرت ہی اصل گھر ہے جو لازوال ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ

ترجمہ: ''اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشا ہے اور حقیقت یہ کہ دارِ آخرت ہی اصل زندگی ہے''۔ (سورۃ العنکبوت: ۶۴)

W.HARIS BASIM

اجتماعی زندگی پر آخرت کے اثرات

انفرادی زندگی کی طرح عقیدہ توحید کے حامل معاشرہ پر بھی توحید کے گراں قدر اثرات مرتب ہوتے ہیں، جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

۱-اللہ کی حاکمیت:

جس معاشرہ میں رہنے والے عقیدہ آخرت پر یقین رکھتے ہوں وہاں کسی چنگیز و تیمور کی نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ واحد کی حاکمیت قائم ہوتی ہے۔اسی کے حکم کردہ امور کو حق اور سچ قرار دیا جاتا ہے اور اس کے منع کردہ امور باطل سمجھ کر ترک کیا جاتا ہے۔

"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ"

ترجمہ: "حکم تو صرف اللہ ہی کا (چلتا) ہے۔" (سورۂ یوسف: ۴۰)

۲-اخوت (بھائی چارگی):

اسلام نے ہمیشہ اخوت اسلامی اور وحدت کا درس دیا ہے۔طلوع اسلام سے پہلے عرب نفرتوں اور فرقہ وارانہ فساد میں گھرے ہوئے تھے۔ذرا ذرا سی باتوں پر تلواریں بے نیام ہو جاتی تھیں۔یہ عقیدہ آخرت ہی ہے جو انسان کے دل میں حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی جوابدہی کا احساس پیدا کرتا ہے اور عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے والا شخص اس ڈر سے کسی کو زبان و ہاتھ سے تکلیف نہیں دیتا کہ کل کو خدا کو کیا جواب دے گا۔قرآن نے کہا:

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ."

"بے شک مومن (آپس میں) بھائی بھائی ہیں۔" (سورۃ الحجرات: ۱۰)

۳-حدود اللہ کی پاسداری:

عقیدہ آخرت کے حامل معاشرے میں اللہ کی حدود کا قیام یقینی بنایا جاتا ہے اور کسی مجرم کو معاف نہیں کیا جاتا، چاہے وہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔جس کی بدولت تخریب کار اور مفسدین ہر طرح کے دنگا فساد سے پرہیز کرتے ہیں اور معاشرے میں امن و سلامتی کا ماحول قائم ہوتا ہے۔قرآن پاک میں خدائے ذوالجلال نے جا بجا حدود اللہ کی پاسداری کا حکم صادر فرمایا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

ترجمہ: یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں، لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو۔اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔(سورۃ البقرۃ: ۲۲۹)

۴-پرامن ماحول:

جب حدود اللہ کا قیام حتی الوسع ممکن بنایا جائے تو کشیدگی اور ماحول کی بدمزاجی امن و آشتی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ہر مجرم جانتا ہے کہ اگر جرم کیا تو سزا بھگتنی پڑے گی لہٰذا وہ ہر جرم سے دور رہتا ہے جس کے نتیجے میں معاشرے میں امن کا قیام ممکن ہو جاتا ہے۔یہ بھی عقیدۂ توحید ہی کی مرہونِ منت ہے۔

۵-پاکیزہ معاشرہ:

جس طرح عقیدہ توحید انسان کی انفرادی زندگی پر اثرات مرتب کرتا ہے بالکل ویسے ہی اجتماعی زندگی پر بھی اس کے نہایت

M.HARIS BASIM

ہی پاکیزہ اثرات مرتب ہوتے ہیں جس کا ثمرہ ایک پاکیزہ معاشرے کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

عقیدہ آخرت کے حامل معاشرے میں اللہ کی حدود کا قیام یقینی بنایا جاتا ہے اور کسی مجرم کو معاف نہیں کیا جاتا، خواہ وہ کسی بھی طبقہ اور جماعت سے تعلق رکھتا ہو۔ جس کی بدولت تخریب کار اور مفسدین ہر طرح کے دنگا فساد سے پرہیز کرتے ہیں اور معاشرے میں امن وسلامتی کا ماحول قائم ہوتا ہے۔

☆.....☆.....☆

سوال: قرآن وحدیث کی روشنی میں نماز کی اہمیت بیان کریں۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر نماز کیا اثرات مرتب کرتی ہے؟

صلوٰۃ (نماز)

نماز کا مفہوم:

نماز کے لغوی معنی ہیں دعا کرنا۔

اصطلاح میں وہ عبادت جو رکوع وسجود پر مشتمل ہوتی ہے اور دن میں پانچ مرتبہ کی جاتی ہے اسے صلوۃ یعنی نماز کہتے ہیں۔

نماز کی اہمیت:

نماز کی اہمیت اس امر سے واضح ہو جاتی ہے کہ نماز ہر نبی کی شریعت میں فرض رہی۔ دوسرا یہ کہ یہ اہل ایمان ہونے کا عملی مظاہرہ ہے، مسلمان ہونے کی واضح علامت اور ثبوت ہے۔ اسی لیے نماز کو مؤمن اور کافر کا فرق قرار دیا گیا۔

نماز کی فرضیت:

نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تقریباً تین سال پہلے معراج نبوی کے موقع پر نماز فرض ہوئی، ابتداءً پچاس نمازیں فرض کی گئیں تھیں پھر کم ہوتے ہوتے پانچ ہو گئیں۔

نماز کی اہمیت قرآن کی روشنی میں:

۱. وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔ (سورۃ البقرۃ: ۴۳)

۲. وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

ترجمہ: نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ بنو۔ (سورۃ الروم: ۳۱)

۳. حَافِظُواْ عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلاَةِ الْوُسْطَى

ترجمہ: حفاظت کرو سب نمازوں کی بالخصوص بیچ والی نماز کی۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۸)

۴. وَارْكَعُواْ مَعَ الرَّاكِعِينَ

ترجمہ: اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (سورۃ البقرۃ: ۴۳)

نماز کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

۱. اَلصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤمِن

M.HARIS BASIM

ترجمہ: نماز مؤمن کی معراج ہے۔

۲. بَيْنَ الْكُفْرِ وَالإِيْمَانِ تَرْكُ الصَّلاة

ترجمہ: کفر اور ایمان کے درمیان (فرق) ترک نماز ہے۔

۳. جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِيْ الصَّلا ة

ترجمہ: نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

۴. جو شخص ان پانچوں نمازوں کو ان کے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے میں اس کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا۔

نماز باجماعت کی فضیلت:

احادیث مبارکہ میں جماعت سے نماز پڑھنے کی بہت ہی فضیلت آئی ہے، دوسری طرف بلا عذر جماعت چھوڑنے والوں کے بارے میں احادیث میں بہت سخت وعید مذکور ہے، نماز باجماعت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلٰوةِ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ خَمْساً وَّعِشْرِيْنَ جُزْء اً

''اکیلے نماز پڑھنے سے جماعت کی نماز پچیس درجے اجر میں زیادہ ہوتی ہے''۔

نماز کے انسانی زندگی پر اثرات

انفرادی زندگی پر نماز کے اثرات:

نماز انسان کی عملی زندگی میں دیرپا انقلاب برپا کرتی ہے اور انسان کو فلاح و کامیابی کے راستے پر گامزن کرتی ہے۔ انسانی زندگی پر مرتب ہونے والے نماز کے اثرات میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کفر و شرک سے حفاظت:

نماز انسان کو کفر اور شرک سے بچاتی ہے۔ نمازی آدمی حتی الامکان کفر و شرک کی لعنت سے محفوظ رہتا ہے، اور اسے کفر و شرک سے برأت کا سرٹیفکیٹ عطا کیا جاتا ہے اور جنت میں اس کا داخلہ یقینی بن جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

ترجمہ: نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ بنو۔ (سورۃ الروم: ۳۱)

۲۔ برائیوں سے نجات:

نماز انسان کو ہر طرح کی برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے، نماز کے بدولت انسان کی عملی زندگی کی بنیاد تقوی و پرہیز گاری پر قائم ہوتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نماز کو کماحقہٗ مکمل تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کیا جائے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ

ترجمہ: بیشک نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ (سورۃ العنکبوت: ۴۵)

۳۔ قربِ خداوندی:

نماز ذکر خداوندی کا افضل ترین ذریعہ ہے۔ اس عبادت میں زبان، جسم اور قلب بیک وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

M.HARIS BASIM

اور بندہ اپنے رب سے براہ راست گفتگو کرتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي

ترجمہ:اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ (سورۃ طٰہٰ: ۱۴)

۴-پابندیٔ وقت:

نماز کی شرائط میں یہ بھی داخل ہے کہ نماز کو اس کے مقررہ وقت میں ہی ادا کیا جائے، چنانچہ جب انسان نماز کو اس کے وقت میں ادا کرتا ہے تو نماز کی ادائیگی کی بدولت انسان کے اندر وقت کی پابندی کا احساس پیدا ہوتا ہے، اور وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہر کام مقررہ وقت پر کرنے کا عادی بن جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَاباً مَّوْقُوتا

ترجمہ:''بے شک نماز مومنین پر وقت مقررہ میں فرض کی گئی۔''

۵-طہارت و پاکیزگی:

نماز کی شرائط میں طہارت و پاکیزگی کا بہت اہم کردار ہے۔نمازی شخص ہمیشہ طہارت کی حالت میں رہتا ہے۔ پانچ وقت باوضو دربار الٰہی میں حاضر ہوتا ہے۔مسواک سے دانت صاف کرتا ہے۔غرض ہر طرح سے پانچ بار اپنے جسم کو پاک وصاف رکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

۶-اللہ کا خوف:

جب نمازی خشوع وخضوع کا ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس پر اللہ کا خوف غالب آجاتا ہے اور اس میں تقویٰ کی صفت حمیدہ پید اہو جاتی ہے

۷-اظہارِ عبودیت:

نمازی شخص جب اللہ کے حضور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے اور رکوع وسجود کرتا ہے تو یہ بندگی کا اظہار ہے۔نماز کی روح یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو فنا کر دے۔اللہ کی مرضی اور خوشی پر سب کچھ قربان کر دے۔

۸-علی الصبح بیداری:

نمازی شخص اپنے دن کا آغاز فجر کی نماز سے کرتا ہے۔صبح سویرے بیدار ہوتا ہے اس وقت بہت اچھا سماں ہوتا ہے۔فضا میں آلودگی نہیں ہوتی اس کے سبب صبح سویرے اٹھنے والا شخص دن بھر چاق وچوبند رہتا ہے۔صبح جلدی اٹھنا اور رات کو جلدی سونا دونوں صحت اور عقل کے لیے فائدہ مند ہیں۔

M.HARIS BASIM

اجتماعی زندگی پر نماز کے اثرات

۱۔مساوات:

باجماعت نماز میں حاکم اور محکوم، امیر وغریب سب ایک صف میں برابر کھڑے ہوتے ہیں۔اور سب کا نماز کی ادائیگی کا طریقہ ایک ہی ہوتا ہے اور یہ بات مکمل طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ کے دربار میں سب کا درجہ مساوی ہے جس سے امیروں میں تکبر اور غریبوں میں احساس کمتری پیدا نہیں ہوتا۔بقول شاعر ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز

۲۔باہمی تعارف:

باجماعت نماز میں پانچ مرتبہ ایک علاقے کے لوگ مسجد میں جمع ہوکر ملاقات کرتے ہیں جس سے آپس میں میل جول اور تعارف پیدا ہوتا ہے۔اس میل جول سے انسانیت اور باہمی محبت کو فروغ ملتا ہے جو مسلمانوں کے انتشار کو دور کر کے ان کے اتحاد واتفاق کا سبب بنتا ہے۔

۳۔اجتماعیت:

باجماعت نماز پڑھنے سے اجتماعیت کی خصوصیت پیدا ہوتی ہے اور یہ درس ملتا ہے کہ جس طرح جماعت کی نماز انفرادی نماز کے مقابلے میں کہیں زیادہ افضل و برتر ہے اسی طرح زندگی کے ہر کام میں اسی اجتماعیت اور یکجہتی کا اہتمام کیا جائے تو ہر کام کے بہتر نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ارشاد نبوی ﷺ ہے:

يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَة

ترجمہ: جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

۴۔اطاعتِ امیر:

باجماعت نماز ادا کرنے سے امیر کی اطاعت کرنے کی تربیت بھی ہوتی ہے، اگر کوئی شخص نماز میں امام کے مطابق ارکان کی ادائیگی نہیں کرتا اس کی نماز باطل ہوجاتی ہے، جو شخص امیر کا کہنا مانے وہ زندگی کے باقی کاموں میں بھی بہترین شخص ثابت ہوتا ہے ۔متقی اور دیندار امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے سے یہ درس ملتا ہے کہ اطاعت کیسے کرنی چاہیے۔

۵۔اللہ تعالی کا رحم وکرم:

جماعت کی نماز میں بہت سے ایسے معصوم بچے شریک ہوتے ہیں جو مکلّف نہیں ہوتے اسی طرح ایسے عمر رسیدہ اشخاص بھی شریک ہوتے ہیں جن سے اللہ کو حیا آتی ہے، ان لوگوں کی برکت سے تمام نمازیوں کی نماز میں ارتقاء پیدا ہوتا ہے اور تمام لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

☆.....☆.....☆

M.HARIS BASIM

سوال: قرآن وحدیث کی روشنی میں روزہ کی اہمیت بیان کریں۔انسانی زندگی پر روزہ کے انفرادی اور اجتماعی اثرات بیان کریں۔

صوم (روزہ)

روزہ کا مفہوم:

روزہ کے لغوی معنی رکنا۔

اصطلاح میں روزہ کا مفہوم یہ ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے اللہ کی رضا کی خاطر رکا جائے۔

روزہ کی فرضیت:

ہجرت نبوی کے بعد مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سن ۲ ہجری میں روزہ فرض کیا گیا۔

روزہ کی اقسام:

روزہ کی چار اقسام ہیں:

(۱) فرض، جیسے رمضان المبارک کے روزے۔

(۲) واجب، جیسے نذر یعنی منت کے روزے۔

(۳) سنت، جیسے یوم عاشورا، اور ایام بیض (چاند کی ۱۳/ ۱۴/ ۱۵ تاریخ) کے روزے۔

(۴) نفل، جیسے ماہ شوال کے روزے۔

حقیقی روزہ:

روزہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ روزہ دار پوری طرح دینی امور انجام دے، تمام گناہوں سے حتی الامکان پرہیز کرے اور نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھے، صرف بھوکا پیاسا رہنے کا نام روزہ نہیں۔ارشاد نبویؐ ہے:

''جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ پر عمل کرے تو خدا کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں''۔

روزہ کا حکم قرآن کی روشنی میں:

(i) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے قبل لوگوں پر فرض کئے گئے۔شاید تم پرہیزگار بن جاؤ۔

(البقرۃ: ۱۸۳)

(ii) فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

ترجمہ: جو شخص اس مہینے (رمضان) کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس کے روزے رکھے۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۵)

(iii) وَأَن تَصُومُواْ خَيْرٌ لَّكُمْ

ترجمہ: اور روزے رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۴)

M.HARIS BASIM

روزہ کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

(i) اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ

ترجمہ: روزہ جہنم سے ڈھال ہے۔

(ii) اَلصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ

ترجمہ: روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

(iii) لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهٖ دَعْوَةٌ لَا تُرَدّ

ترجمہ: روزہ دار کی افطار کے وقت دعا رد نہیں ہوتی۔

روزے کے انسانی زندگی پر اثرات

انفرادی اثرات:

روزہ اپنی نوعیت کی ایک انوکھی عبادت ہے جو انسان کے لئے نفسِ امارہ کو کنٹرول کرنا بہت آسان بناتی ہے۔ انسانی زندگی پر روزہ کے درج ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں:

۱۔ ضبطِ نفس:

روزہ انسان کو ضبطِ نفس کی تعلیم دیتا ہے۔ انسان چاہے کتنے ہی نازوں میں پلا ہوا اور کھانے پینے کی اشیاء و مواقع بھی موجود ہوں۔ لیکن اس کے باوجود انسان شدید بھوک و پیاس کی صورت میں بھی اپنے نفس پر کنٹرول کرتا ہے جس کی بدولت انسان کو عام روزمرہ زندگی میں نفس کو کنٹرول میں رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

۲۔ تقویٰ و روحانی ترقی:

روزے کا اصل مقصد تقویٰ کا حصول ہے، تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے منع کردہ تمام امور سے خود کو بچایا جائے، جب انسان تمام مواقع موجود ہونے کے باوجود بھی نفس کو قابو میں رکھتا ہے تو اسے تقویٰ، خدا کا خوف اور روحانی ارتقاء حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ جسمانی طاقت:

عام خیال یہ ہے کہ روزہ انسان کے جسم کو کمزور بناتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، روزہ انسان کی روح کے ساتھ ساتھ اس کے جسم کو بھی تقویت بخشتا ہے۔ انسان کی اندرونی مشین کے پورے نظام میں بہتری پیدا کرتا ہے۔ جس کی واضح مثال وہ فتوحات ہیں جو رمضان کے مہینے میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔

۴۔ جذبۂ ہمدردی:

روزہ انسان کے اندر جذبۂ ہمدردی پیدا کرتا ہے۔ روزہ رکھنے سے متمول طبقے کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ غریب طبقے کے لوگ کس طرح فاقہ کشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جس سے انسان کے اندر ایثار، انفاق فی سبیل اللہ اور ہمدردی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

M.HARIS BASIM

۵-پابندیٔ وقت:

وقت پر سحر، وقت پر افطار، باجماعت نمازیں اور وقت پر تراویح ادا کرنے سے انسان کے اندر وقت کی پابندی کی عادت پیدا ہوتی ہے جو رمضان کے علاوہ عام روزمرہ زندگی کے دوسرے امور میں بھی وقت کی پابندی کا درس دیتی ہے۔اور انسان ہر موڑ پر وقت کی پابندی کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

۶-پیروی شریعت کی لگاتار مشق:

روزہ ایک پریکٹس سیشن (Practice Session) ہے۔انسان کو دنیا میں بھیجا گیا تو کچھ چیزوں کو حلال رکھا گیا اور کچھ کو حرام، حرام کاموں سے روکا گیا اور حلال امور انجام دینے کی اجازت دی گئی۔لیکن رمضان میں امورِ حلال سے بھی روکا گیا تاکہ اس مشق اور پریکٹس کی بدولت رمضان کے علاوہ باقی گیارہ مہینوں میں کم از کم حرام کاموں سے بچنے کی مشق ہو۔اس طرح روزہ کی حیثیت ایک ''پریکٹس سیشن'' کی ہے۔

اجتماعی زندگی پر روزہ کے اثرات

۱-دوسروں کے دکھ درد میں شرکت:

روزہ انسان کو دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونے کا درس دیتا ہے۔جب ایک انسان سارا دن بھوکا پیاسا رہتا ہے تو اسے غریب پڑوسی اور غریب رشتہ داروں کے دکھ درد کا احساس ہوتا ہے اور وہ ان کی مالی اعانت بڑے شوق و جذبے سے کرتا ہے جس کے نتیجے میں خوشحال اور پرسکون معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

۲-ریاکاری سے پاک عبادت:

روزہ وہ واحد عبادت ہے جس میں ریاکاری کا کوئی شبہ نہیں، یہ ایک پوشیدہ عبادت ہے جس میں بندے کا بلاواسطہ رب سے تعلق ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ''روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا''، روزہ کے برعکس دوسری عبادات نماز، حج وغیرہ میں اظہارِ بندگی ہوتا ہے۔

۳-مخصوص اسلامی ثقافت:

رمضان کی آمد سے اسلامی معاشرے میں ایک سماں قائم ہو جاتا ہے اور اسلامی ثقافت کا حسین مظاہرہ پیش کیا جاتا ہے۔ مساجد آباد ہوتی ہیں۔سحر و افطار میں روایتی کھانے پکائے جاتے ہیں۔غرض ایک میلے کا سا سماں ہوتا ہے اور بلاشبہ یہ سب روزہ ہی کی مرہونِ منت ہے۔

☆.....☆.....☆

M.HARIS BASIM

سوال: قرآن وحدیث کی روشنی میں زکوٰۃ کی اہمیت بیان کریں۔ زکوٰۃ کے مصارف بیان کریں۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کا مفہوم:

زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں پاک کرنا

اصطلاح میں زکوٰۃ وہ مخصوص صدقہ (مال) ہے جو ہر صاحب حیثیت اللہ کی رضا کی خاطر مخصوص شرائط کے ساتھ مستحق افراد کو سال میں ایک مرتبہ ادا کرتا ہے۔

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرائط:

(۱) مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) عاقل ہونا (۵) مقروض نہ ہونا

(۶) صاحبِ نصاب ہونا (۷) مال کا ضروریات زندگی سے خارج ہونا (۸) مال پر سال گزرنا

زکوٰۃ کا نصاب:

اس سے مراد یہ ہے کہ مال کی وہ کتنی مقدار ہے جس کا مالک بننے کے بعد انسان پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ سونے، چاندی، مویشی اور مال تجارت پر ادا کی جاتی ہے۔

جس انسان کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا ان کی قیمت ہو اور باقی شرائط پوری ہوتی ہوں تو ایسے شخص پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

شرحِ زکوٰۃ:

اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ کی تمام شرائط پوری ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض ہو چکی ہے وہ اپنے مال کا کتنا حصہ بطورِ زکوٰۃ مستحقین کو ادا کرے۔

مال کی مختلف اقسام ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کی شرح بھی مختلف انواع کی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(i) سونا، چاندی، نقدی — چالیسواں حصہ (۲.۵%)

(ii) غلہ (سبزی و پھل وغیرہ) — عشر (دسواں حصہ)

(iii) معدن و رکاز (زیر زمین خزانہ) — خُمس (پانچواں حصہ)

(iv) جانوروں میں ہر جانور کا الگ الگ نصاب اور شرح ہے۔

زکوٰۃ کی اہمیت قرآن کی روشنی میں:

(i) وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ (سورۃ البقرۃ: ۴۳)

(ii) خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ

ترجمہ: (اے نبی!) ان لوگوں کے مالوں میں سے صدقہ وصول کرلو جس کے ذریعے تم انہیں پاک کردو گے۔

M.HARIS BASIM

(iii) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ

ترجمہ: اور وہ (کامیاب ہیں) جو زکوۃ ادا کرتے ہیں۔

زکوٰۃ کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

(i) اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى

ترجمہ: اوپر والا ہاتھ (صدقہ دینے والا) نیچے والے (یعنی صدقہ لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔

(ii) مَا أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ فَفِيْهِ الْعُشْرُ

ترجمہ: زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں دسواں حصہ (زکوٰۃ) واجب ہے۔

(iii) اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

زکوٰۃ کے مصارف:

مصارف، مصرف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ''خرچ کرنے کی جگہ'' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں زکوۃ ادا کی جانی ہے۔ زکوۃ کے کل آٹھ مصارف ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ توبہ میں بیان فرمائے ہیں۔

(i) فقراء:

اس سے مراد وہ مرد وعورت ہیں جو بہت ہی کم مال کے مالک ہوں اور زندگی کی ضروریات پوری کرنے میں دوسری کی مدد کے محتاج ہوں۔

(ii) مساکین:

مساکین، مسکین کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ غرباء ہیں جو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے انسانوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔

(iii) عاملین زکوٰۃ:

اس سے مراد زکوۃ جمع کرنے والے سرکاری ملازم ہیں، انہیں بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

(iv) مؤلفۃ القلوب (نئے مسلمان):

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی دلجوئی اور اسلام کی رغبت پیدا کرنے کیلئے ابتدائے اسلام میں زکوۃ ادا کی جاتی تھی، اب ان کا مصرف ختم ہو چکا ہے اب نہیں زکوۃ نہیں دی جاتی۔

(v) رقاب (غلام):

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور اپنے مالکوں کو رقم ادا کر کے آزاد ہونا چاہتے ہوں۔ انہیں بھی آزادی کے حصول کے لئے زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

(vi) فی سبیل اللہ (مجاہد و مبلّغ):

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے نکلے ہوں۔ انہیں بھی زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

M.HARIS BASIM

(vii) ابن السبیل (مسافر):

اس سے مراد مسافر ہیں، چاہے وہ اپنے وطن میں خوشحال ہی کیوں نہ ہوں لیکن حالتِ سفر میں تنگدستی کی صورت میں انہیں زکوۃ دی جاسکتی ہے۔

(viii) غارمین (قرض دار):

اس سے مراد وہ لوگ جو قرض کے بوجھ تلے دبے ہوں اور قرض ادا نہ کر سکتے ہوں۔ انہیں قرض کی ادائیگی کیلئے زکوۃ دی جاسکتی ہے۔

زکوۃ نہ دینے والوں کیلئے وعید:

قرآنی آیات میں جابجا زکوۃ ادا کرنے کا اور مال کی حرص ولالچ سے بچنے کا حکم دیا گیا۔ زکوۃ نہ دینے والوں کے خلاف خدائے ذوالجلال نے سورۂ توبہ میں بہت سخت وعید بیان فرمائی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ

''اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔''

(سورۃ التوبہ:۳۴)

زکوۃ کے فوائد وثمرات

زکوۃ اسلام کے معاشی ومعاشرتی نظام کا ایک اہم ستون ہے۔ کسی بھی معاشرے میں طبقات کی کشمکش اس وقت ہی شروع ہوتی ہے جب وہاں زکوۃ کا نظام رائج نہ ہو اور دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو۔ جس معاشرے میں زکوۃ کا نظام رائج ہو تو اس کے مثبت اثرات اور فوائد پورے معاشرے پر بخوبی محسوس کئے جاسکتے ہیں۔

زکوۃ کے انفرادی ومعاشی فوائد

یوں تو زکوۃ کے فوائد بے شمار ہیں جن کا احاطہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، لیکن ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱-مال میں اضافہ:

بظاہر تو زکوۃ کی ادائیگی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مال میں کمی واقع ہورہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ زکوۃ مال میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ خدا تبارک وتعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

إِن تُقْرِضُوا اللهَ قَرْضاً حَسَناً يُضَاعِفْهُ لَكُمْ

ترجمہ: اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو (صدقہ کرو) تو وہ تمہارے لئے دوگنا کردے اس (مال) کو۔ (سورۃ التغابن:۱۷)

۲-دین کی نصرت:

زکوۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے دین کی نصرت ہوتی ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کو مال واسباب مہیا کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

M.HARIS BASIM

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ

ترجمہ: تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ (سورۃ التوبۃ: ۴۱)

۳-مال کی قربانی کا جذبہ:

مال کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے، مال کو انسان کیلئے فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ زکوۃ کی ادائیگی کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان اس بری محبت سے نجات پاتا ہے اور اس میں مال کی قربانی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

۴-خدمتِ خلق کا جذبہ:

جب انسان زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو اس میں خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سالانہ زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات پر بھی توجہ دیتا ہے۔ آج کے اس نفسانفسی کے دور میں خدمت خلق کا جذبہ یقیناً بہت اہمیت کا حامل ہے۔

۵-اللہ کے حکم کی تعمیل:

مال کی محبت وہ شر ہے جو انسان کا کہیں پیچھا نہیں چھوڑتا اور انسان اور اللہ کے احکام کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی انسان کے دل سے مال کی محبت کو باہر نکال دیتی ہے اور اسے اللہ کے احکامات کی تعمیل کرنے کی عادت سے روشناس کراتی ہے۔

۶-تزکیہ نفس:

تزکیہ ''زکوۃ'' سے ہی نکلا ہے جس کا مطلب ہے پاک کرنا، زکوٰۃ سے مال کی پاکیزگی کے ساتھ نفس اور دل کی پاکیزگی بھی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى

ترجمہ: جو اپنا مال دے کر تزکیہ حاصل کرتا ہے۔ (اللیل: ۱۸)

زکوۃ کے اجتماعی و معاشرتی فوائد

۱-امداد باہمی:

زکوٰۃ کی ایک بڑی افادیت یہ ہے کہ اس کی ادائیگی سے نادار و مفلس افراد کی مالی مدد ہو جاتی ہے اور چونکہ زکوٰۃ قرض سمجھ کر ادا کی جاتی ہے اس لئے دینے والا برتری کا احساس نہیں کر سکتا اور لینے والے کو احساس کمتری نہیں ہوتا کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔ اس طرح زکوٰۃ ملت کے افراد کے مابین امدادِ باہمی کا کردار ادا کرتی ہے۔

۲-طبقاتی کشمکش کا خاتمہ:

وہ معاشرہ جس میں زکوٰۃ کا نظام راج نہ ہو، طبقاتی کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے اور دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہوتی ہے۔ امیر، امیر تر ہوتا جاتا ہے اور غریب، غریب تر، لیکن اسلام کا معاشی نظام جس کی بنیاد زکوٰۃ کے اصولوں پر ہے اس میں طبقاتی کشمکش کا خاتمہ کیا جاتا ہے اور دولت کی منصفانہ اور مساوایانہ تقسیم کو یقینی بنایا جاتا ہے۔

M.HARIS BASIM

۳۔ پرامن اور خوشحال معاشرے کا قیام:

جب غریبوں کو ان کے حقوق ملیں اور ان کی مالی اعانت کی جائے تو معاشرے کا کوئی فرد مفلس و نادار نہیں رہتا اور معاشرے میں امن اور خوشحالی پیدا ہوتی ہے۔ کیوں کہ فساد کی اصل جڑ مال و دولت ہی ہوتا ہے۔ اسلئے اسلام نے ہر صاحب نصاب پر زکوٰۃ فرض کر کے غریبوں کو باعزت زندگی گزارنے کا حق دیا۔

۴۔ ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ:

کسی بھی معاشرے کی معاشی تباہی کا ایک بڑا سبب ذخیرہ اندوزی بھی ہوتا ہے۔ زکوٰۃ ایک ایسا مؤثر فریضہ ہے جس کے نافذ ہوتے ہی معاشرہ اس لعنت سے پاک ہو جاتا ہے۔ دولت چند دولت مندوں کے ہاتھوں میں ہی جمع ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ ہر مستحق تک پہنچتی ہے۔ ذخیرہ اندوزوں کو وعید سناتے ہوئے قرآن نے کچھ یوں کہا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ o يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَـذَا مَا كَنَزْتُمْ لأَنفُسِكُمْ فَذُوقُواْ مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ.

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے اُن کو اس دن کے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔۳۴۔ جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا پھر اُس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔ (سورۃ التوبہ: ۳۴،۳۵)

☆.....☆.....☆

سوال: حج کی فلسفہ کیا ہے؟ انسان کی انفرادی اور اجتماعی پر حج کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

حج

حج کا مفہوم:

حج کے لغوی معنی ہیں زیارت کا ارادہ کرنا۔

شریعت کی اصطلاح میں حج وہ عبادت ہے جو خانہ کعبہ کی زیارت اور مناسک حج پر مشتمل ہوتی ہے اور ہر صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔

حج کی فرضیت:

ہجرت کے نویں سال ۹ھ میں مسلمانوں پر حج فرض کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں ایک حج کیا اور اس موقع پر وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جسے ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

M.HARIS BASIM

حج کی قسمیں:

حج کی تین قسمیں ہیں:

(۱) قِران (۲) تمتّع (۳) اِفراد

(۱) حج قران:

قران کے لفظی معنی ہیں ملانا۔ یہ وہ حج ہے جس میں حج اور عمرہ دونوں عبادات کیلئے ایک احرام باندھ کر مناسک حج وعمرہ ادا کئے جائیں۔ یعنی دونوں عبادات کے درمیان احرام کھول کر وقفہ و فاصلہ نہ کیا جائے بلکہ جس احرام سے ایک عبادت کی جائے اسی کو جاری رکھتے ہوئے دوسری عبادت بھی ادا کی جائے۔ گویا اس حج میں دونوں عبادات یعنی حج وعمرہ کو ایک احرام کے اندر ملا دیا جاتا ہے۔

(۲) حج تمتع:

تمتع کے لفظی معنی ہیں فائدہ اٹھانا۔ یہ وہ حج ہے جس میں پہلے عمرہ یا حج کا احرام باندھ کر ادا کیا جائے پھر احرام کھول دیا جائے اور کچھ وقفہ کے بعد دوبارہ احرام باندھ کر دوسری عبادت ادا کی جائے۔

(۳) حج افراد:

افراد کے لفظی معنی ہیں اکیلا و تنہا۔ یہ وہ حج ہے جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے صرف حج کا احرام باندھ کر مناسک حج ادا کئے جائیں۔

ایّامِ حج:

حج ذی الحجہ کی ۸ تاریخ سے لے کر ۱۲ تاریخ تک ادا کیا جاتا ہے۔ ان پانچ دنوں کو ''ایّام حج'' کہتے ہیں۔

مناسکِ حج:

(۱) اِحرام (حج کا مخصوص لباس) (۲) طواف (۳) سعی (صفا، مروہ کے درمیان دوڑ)
(۴) حجر اسود کا اِستلام (بوسہ) (۵) وقوفِ عرفہ (۶) قیامِ مُزدلفہ
(۷) رمیِ جمرات (کنکریاں مارنا) (۸) نحر (قربانی) (۹) حلقِ رأس (سر مونڈوانا)

حج کی اہمیت قرآن کی روشنی میں:

(i) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً

ترجمہ: لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو کوئی بیت اللہ تک آنے کی قدرت رکھتا ہو وہ حج کیلئے آئے۔ (سورۃ آل عمران: ۹۷)

(ii) اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ

ترجمہ: حج کے مہینے (معیّن ہیں جو) معلوم ہیں۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۹۷)

(iii) وَأَتِمُّواْ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ

ترجمہ: اور حج اور عمرہ اللہ کیلئے پورا پورا ادا کرو۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۹۶)

M.HARIS BASIM

حج کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

(i) يأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوا.

ترجمہ: اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا لہٰذا تم حج کرو۔

(ii) مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ فَقَضىٰ مَنَاسِكَهُ وَسَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِن لِّسَانِهِ وَيَدِهِ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

ترجمہ: جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا، اور اس کے مناسک (پوری طرح) ادا کئے، اور اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دئے گئے۔''

(iii) مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.

ترجمہ: جو کوئی خالصتاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حج کرتا ہے اور دورانِ حج فسق و فجور سے باز رہتا ہے وہ اس طرح (گناہوں سے پاک ہوکر) لوٹتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا'' (بخاری)

حج کے فوائد اور ثمرات

۱-اتحاد عالم اسلام:

حج کے موقع پر سارے عالم اسلام سے حجاج کرام ایک ہی مرکز یعنی مکہ معظّمہ میں حاضر ہوجاتے ہیں جس سے اتحادِ عالم اسلام اور مساواتِ محمدی کا ایک روح پرور منظر نظر آتا ہے جسے دیکھ کر غیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ الغرض حج اتحاد عالم اسلام کا ایک عظیم روحانی اجتماع ہوتا ہے۔

۲- یکسانیت:

حج کے اجتماع میں مختلف اقوام سے تعلق رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ جمع ہوتے ہیں جو مختلف رنگ و نسل سے وابستہ ہوتے ہیں لیکن حج کے دوران تمام حاجی لٹھے کی دو چادریں پہن کر اللہ کے حضور پیش ہوجاتے ہیں اور تمام تر علاقائی وابستگیوں سے بالاتر ہوکر ایک ساتھ عبادت کرتے ہیں۔ بڑے چھوٹے اور امیر غریب کا کوئی فرق نہیں رہتا۔

۳-مقامات مقدسہ کی زیارت:

حج کے موقع پر عالم اسلام کے حجاج اسلامی تاریخی مقامات اور آثار مقدسہ کی زیارت کرتے ہیں جس سے دور ابراہیمی کی یادیں تازہ ہوتی ہیں مسجد حرام کے علاوہ مکہ مکرمہ اور اسکے آس پاس کی کئی مساجد قابل زیارت ہیں جیسے مسجد جن، مسجد الکبش وغیرہ۔ یہ سب بہت ہی یادگار مقامات ہیں جن کی نظیر کہیں نہیں ملتی، صفا اور مروہ کو خدائے تعالیٰ نے شعائر اسلام قرار دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللهِ

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۸)

۴-اخوت اسلامی:

حج کے موقع پر جمع ہونے والے مسلمان آپس میں اسلامی اخوت کے جذبہ سے سرشار ہوتے ہیں اور مختلف اقوام سے تعلق ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہوتے، سب کا لباس اور انداز یکساں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کے مسلمانوں کے

M.HARIS BASIM

اس طرح ایک جگہ ہونے سے یکجہتی اور اخوت اسلامی پروان چڑھتی ہے۔

۵- فرقہ واریت کا خاتمہ:

آج دنیا میں مسلمان مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں جو روحِ اسلامی کے لئے سم قاتل ہیں۔ حج کے موقع پر تمام مسلمان فرقہ وارانہ اختلافات بھلا کر اور ہر طرح کی تفریق سے بالاتر ہو کر یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔ حج مسلمانوں کو متحد و متفق رہ کر دنیا کی قیادت کرنے کا درس دیتا ہے۔

۶- نظم وضبط:

حج کے اجتماع میں حجاج کرام جس نظم وضبط کا مظاہرہ کرتے ہیں ایسا دوسرے کسی بھی معاشرتی اور مذہبی اجتماع میں دیکھنے میں نہیں آتا۔ ایک ہی وقت میں منیٰ میں قیام، وقوف عرفہ، قیام مزدلفہ، حجرات کی رمی، غرض انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بڑی باقاعدگی اور امن وامان کے ساتھ مناسک حج ادا کرتا ہے جو نظم وضبط کا حسین مظاہرہ ہے۔

۷- گناہوں کی معافی:

اگر خالص اللہ کی رضا کیلئے حج کیا جائے اور حج کی جملہ شرائط پوری کرنے کے علاوہ کسی مسلمان کو زبان و ہاتھ سے تکلیف نہ دی جائے تو انسان کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.

ترجمہ: جو کوئی خالصتاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حج کرتا ہے اور دورانِ حج فسق و فجور سے باز رہتا ہے وہ اس طرح (گناہوں سے پاک ہو کر) لوٹتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔'' (بخاری)

۸- تجارتی و بین الاقوامی تعلقات:

حج کے موقع پر عالم اسلام کے حجاج مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں خرید و فروخت کرتے ہیں، سیاسی اکابرین آپس میں ملتے ہیں، علماء مشائخ اور دانشوروں کی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ اور اس طرح تجارتی اور بین الاقوامی تعلقات کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

☆.....☆.....☆

سوال: قرآن وحدیث کی روشنی میں جہاد کی اہمیت بیان کریں۔ جہاد کی اقسام بیان کریں۔

جہاد

جہاد کا مفہوم:

جہاد کے لغوی معنی ہیں ''کوشش اور جدوجہد کرنا''

اصطلاح میں حق کی سربلندی کے لئے ہر قسم کی کوشش، قربانی اور ایثار کرنا اپنی تمام مالی اور جسمانی قوتوں کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا، اللہ کے دشمنوں کے اسلام مخالف حربوں کو روکنا بلکہ اگر اس کے لئے میدان جنگ میں آ کر ان سے لڑنا بھی پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کرنا جہاد کہلاتا ہے۔

M.HARIS BASIM

جنگ اور جہاد میں فرق:

جنگ کا مقصد جاہ وجلال کا حصول اور مقتدر طاقتوں پر قبضہ ہوتا ہے جبکہ جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ یعنی اللہ کے قانون کی حاکمیت قائم کرنا ہے۔

جہاد کی اہمیت قرآن کی روشنی میں:

(۱) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ

ترجمہ: اے نبی ﷺ مومنین کو جہاد پر ابھاریئے۔ (سورۃ الانفال: ۶۵)

(۲) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ

ترجمہ: تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں ناپسندیدہ ہے۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۶)

(۳) وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ

ترجمہ: اور (مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔ (سورۃ الانفال: ۳۹)

جہاد کی فضیلت احادیث کی روشنی میں:

(۱) إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلاَلِ السُّيُوف

ترجمہ: جنت کے دروازے تلوار کے سائے تلے ہیں۔ (مسلم)

(۲) لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيْلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا

ترجمہ: ایک صبح کیلئے یا ایک شام کیلئے خدا کی راہ میں جہاد کی غرض سے شرکت دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۳) لَوَدِدْتُّ أَنْ أُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيىٰ ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيىٰ ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيىٰ ثُمَّ أُقْتَلَ

ترجمہ: میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل (شہید) کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔ (بخاری ومسلم)

جہاد کی اقسام:

علماء نے جہاد کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں جن میں:

(۱) جہاد بالنفس (۲) جہاد بالعلم (۳) جہاد بالمال (۴) جہاد بالقلم (۵) جہاد بالسیف

(۱) جہاد بالنفس:

جہاد بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا یعنی شریعت کی طرف سے منع کردہ امور کے خلاف اپنے نفس کو روکے رکھنا اس کے لئے جتنی بھی مشقت اٹھانی پڑے برداشت کرنا۔ اسے ''جہاد اکبر'' بھی کہتے ہیں۔

(۲) جہاد بالعلم:

دنیا کا تمام شر اور فساد جہالت کا نتیجہ ہے، اس کا دور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر انسان عقل وشعور رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ

دوسروں کو بھی اس سے فیض پہنچائے۔اسی علمی انداز میں دین کی دعوت وتبلیغ کو جہاد بالعلم کہتے ہیں۔نتائج اورافادیت کے لحاظ سے اس کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

(۳) جہاد بالقلم:

جہاد کی ایک قسم جہاد بالقلم بھی ہے۔قلم سے جہاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان حق باتوں کو اپنے قلم کے ذریعے دوسروں تک پہنچائے اوراس سلسلے میں جو بھی ممکن کوشش ہو سکے اس سے دریغ نہ کرے۔

(۴) جہاد بالمال:

جہاد کی ایک قسم جہاد بالمال بھی ہے۔س کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو جو مال عطا کیا ہے اسے حق کی مدد ونصرت اور اللہ کی رضا کے لئے اس کے راستے میں خرچ کرنے سے گریز نہ کرے۔جو آدمی اللہ کے دیئے ہوئے مال کو ایسے مواقع پر خرچ کرنے سے ہچکچاتا ہے یا بخل کرتا ہے تو قرآن میں اس کے لئے وعید موجود ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ

ترجمہ:''اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ،انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔''(سورۃ التوبہ:۳۴)

(۵) جہاد بالسیف:

یعنی تلوار سے جہاد کرنا۔میدان جہاد میں آخر حق کے مخالفین سے رضاء الٰہی کے حصول کے لئے اس جذبے کے ساتھ لڑنا کہ سارا دین اللہ کا ہو جائے اور کفر مٹ جائے یا مغلوب ہو کر دنیا میں رہے اور حق کے راستے میں کسی قسم کی رخنہ اندازی کی کوشش نہ کرے۔قرآن نے کہا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ

ترجمہ:اور(مسلمانو!)ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے،اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔
(سورۃ الانفال: ۳۹)

جہاد بالسیف کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مدافعانہ جہاد: اگر کوئی غیر مسلم قوت کسی مسلمان ملک پر حملہ کر دے تو اس کے دفاع میں کیا جانے والا جہاد مدافعانہ کہلاتا ہے۔

(۲) اقدامی جہاد: اگر کوئی مسلم ملک کسی کافر ملک پر حملہ میں پہل کرے تو یہ اقدامی جہاد یا مصلحانہ جہاد کہلائے گا۔

جہاد کے مقاصد

(۱) دین کا تحفظ:

اسلامی معاشرے میں جہاد کے دیرپا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ان میں سے تحفظ دین سب سے اہم فائدہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو باطل قوتیں اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے سر اٹھائیں ان کو جہاد ہی کے ذریعے دبایا جاتا ہے۔یعنی تحفظ دین کے لئے لڑنا بھی جہاد کا اہم ترین فائدہ اور تقاضا ہے۔

M.HARIS BASIM

(۲) ملک وملت کا دفاع:

دین کے تحفظ کے ساتھ ساتھ جہاد کے فوائد میں تحفظِ ملک وملت یعنی دفاعِ وطن بھی ایک اہم فائدہ ہے۔یعنی جب بھی طاغوتی قوتیں کسی ملک وملت کے خلاف سر اٹھائیں تو اس وقت ملک وملت کا دفاع وہاں کے باشندوں پر فرض ہوجاتا ہے۔گویا جہاد ہی کے ذریعے ملک وملت کا دفاع کیا جاتا ہے۔

(۳) اعلائے کلمۃ اللہ:

جہاد ہی کے ذریعے اللہ کے دین کو غالب کیا جاتا ہے اور اس کے کلمے کو بلند کیا جاتا ہے۔اسلامی تاریخ میں جب جب دین کی سربلندی کی ضرورت پیش آئی۔تو جہاد ہی کو ذریعہ بنا کر اللہ کے دین کو غالب کیا گیا۔اس رِیت کی ابتداء خود حضورؐ نے متعدد غزوات میں بنفس نفیس شرکت فرما کر کی۔

(۴) دین کی تبلیغ:

حضور ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا اور أمر بالمعروف اور نهی عن المنكر امت محمدی کی ذمہ داری ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہترین صورت جہاد ہی ہے۔تبلیغ دین کے راستے میں جو باطل قوتیں مزاحمت کریں ان کے خلاف لڑنا بھی جہاد ہے۔اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہاد کا ایک اہم ترین فائدہ تبلیغ دین بھی ہے۔

(۵) کفار کے قلوب میں رعب:

جہاد کا اصل مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ (یعنی اللہ کے قانون کی سربلندی) ہے، ٹیپو سلطان کا مشہور مقولہ ہے ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔'' جہاد کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جہاد مسلمانوں کو عزت وقار کے ساتھ جینا سکھاتا ہے۔جہاد ہی کی بدولت اللہ تبارک وتعالیٰ کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا کرتے ہیں۔ارشاد خداوندی ہے:

سَأُلْقِيْ فِيْ قُلُوبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرَّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ

ترجمہ: میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈال دیتا ہوں سو تم (کفار کی) گردنوں پر مارو۔(سورۃ الانفال:۱۲)

(۶) نفس پر قابو:

جہاد کی ایک قسم جہاد بالنفس بھی ہے جس کے ذریعے سے نفس امّارہ پر قابو حاصل کیا جاتا ہے۔اس تناظر میں جہاد کا ایک مقصد یہ بھی ہوا کہ اس کے ذریعے سے نفس پر قابو کیا جائے اور فسق وفجور سے گریز کیا جائے۔

(۷) مال غنیمت کا حصول:

ویسے تو مومن کے جہاد کا مقصد ہرگز دنیاوی مال ومتاع کا حصول نہیں ہوتا، بقول علامہ اقبال:

ع: نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

لیکن یہ حقیقت ہے کہ جہاد کے ذریعے مفتوح قوم اور مفتوح علاقہ جات سے خطیر مال غنیمت حاصل کیا جاتا ہے جو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کیلئے دنیاوی انعام واکرام ہے۔

(۸) اسلامی ریاست کی وسعت:

ابتدائی طور پر جہاد کی دو قسمیں ہیں: ایک قدومی جہاد اور دوسرا دفاعی جہاد۔دفاعی جہاد تو تب کی جاتا ہے جب دشمن حملہ آور ہو

M.HARIS BASIM

جبکہ قدومی جہاد میں مسلمان خود کسی غیر مسلم ریاست پر حملہ آور ہوتے ہیں جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کا دائرہ کار اور بھی وسیع تر کیا جائے۔

☆.....☆.....☆

سوال: قرآن وحدیث کی روشنی میں اخوت کی اہمیت بیان کریں۔

اخوت کی اہمیت

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے نیل کے ساحل سے تا بہ خاکِ کاشغر

معنی ومفہوم:

اخوّت عربی زبان کا لفظ ہے جو ''اُخ'' سے نکلا ہے جس کے لفظی معنی ''بھائی چارہ'' کے ہیں۔ اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے عرب معاشرے میں فتنہ فساد روز کا معمول تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے کردار اور تعلیمات کے ذریعے معاشرے میں امن وامان کی فضا قائم کی اور جدی پشتی دشمنوں کو پیار ومحبت کے بندھن میں باندھا، اسی کو ''اخوت'' یا مؤاخات کہا جاتا ہے۔ اسلام میں ایک کلمہ گو بلا لحاظِ رنگ ونسل اور علاقائی قومیت، ایک ہی عالمگیر ملتِ اسلامیہ کا رکن بن جاتا ہے اور وہ ملت کے دوسرے افراد کا دینی بھائی بن جاتا ہے۔

اخوت کی بنیاد:

اسلامی اخوت کی بنیاد کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے جس میں خدا کی وحدانیت اور حضور اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اقرار ہے۔ یہ ایک عقیدہ جس کی رو سے ایک عالمگیر آفاقی اور وسیع رشتہ داری قائم ہوگئی ہے اور ایک ملت کی تشکیل پا گئی ہے جس کو ملتِ اسلامیہ کہتے ہیں اور اخوت کا رشتہ خون کے رشتوں سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی ہے رمزِ سلطانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

اخوت کی اہمیت قرآن کی روشنی میں:

(۱) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ

ترجمہ: بے شک مؤمن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرلو۔

(سورۃ الحجرات:۱۰)

(۲) وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَـكِنَّ اللهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

ترجمہ: تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے، یقیناً وہ زبردست اور دانا ہے۔ (سورۃ الانفال:۶۳)

(۳) وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً

ترجمہ: اور اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل

M.HARIS BASIM

جوڑے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ (سورۃ آل عمران:۱۰۳)

اخوت کی اہمیتا حادیث کی روشنی میں:

(۱) اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ؛ لاَ يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذِلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ

ترجمہ: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے؛ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، نہ اس کو رسوا کرتا ہے نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۲) لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتىٰ يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۳) اَلْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ كَالْجَسَدِ الْوَاحِدِ إِنِ اشْتَكىٰ شَيْئاً مِّنْهُ وَجَدَ أَلَمَ ذٰلِكَ فِيْ سَائِرِ جَسَدِهٖ

ترجمہ: مؤمن مؤمن کا بھائی، ایک جسم کی طرح ہیں اگر اس جسم کا کوئی بھی حصہ تکلیف میں مبتلا ہو تو وہ اپنے پورے بدن میں تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اخوت کی اہمیت:

اسلام وہ واحد مذہب ہے جو قومیت اور رنگ ونسل سے ماوراء ہوکر ساری انسانیت کو مساوات اور بھائی چارگی کا درس دیتا ہے۔ آج بھی اگر ساری دنیا کے مسلمان بھائی چارے کے رشتوں میں بندھ جائیں اور ایک دوسرے کیلئے اخوت کا جذبہ پیدا کریں تو اب بھی کوئی دیر نہیں لگے گی۔ ان شاء اللہ مسلمان دنیا میں ایک عظیم طاقت کی شکل میں ابھر سکتے ہیں اور اسلام دشمن قوتوں کا استحصال بآسانی ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

☆.....☆.....☆

والدین کے حقوق

تمہید:

اسلام نے والدین کی خدمت واطاعت اور ان سے حسن سلوک کو بہت اہمیت دی ہے۔ اور قرآن کریم میں اللہ تعالی نے جابجا اپنی عبادت کے فوراً بعد والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ پیدائش سے تاحیات انسان اپنے والدین کا محتاج ہوتا ہے، جب انسان پیدا ہوتا ہے تو والدین ہی اس دیکھ بھال اور صفائی ستھرائی کا سارا انتظام کرتے ہیں..... ہر انسان پر والدین کے اتنے احسانات ہوتے ہیں کہ اگر وہ ساری زندگی بھی ان کی خدمت کرتا رہے تب بھی ان کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا لیکن وہ ان کے احسانات کے جواب میں ان کی خدمت کرسکتا ہے، ان کی اطاعت اور ان سے حسن سلوک کرسکتا ہے۔ یوں وہ کسی قدر والدین کے احسانات کا بدلہ چکا سکتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اولاد پر والدین کے جو حقوق بیان کئے گئے ان میں سے چند ایک کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے۔

M.HARIS BASIM

حقوقِ والدین قرآن کی روشنی میں:

(۱) وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً

ترجمہ: اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۲۳)

(۲) وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَاناً

ترجمہ: ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کو تاکید کی ہے۔ (سورۃ الاحقاف: ۱۴)

(۳) فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً

ترجمہ: تو انہیں (والدین کو) ''اف'' تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکو، بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔ (سورۃ بنی اسرائیل: ۲۳)

(۴) وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفاً

ترجمہ: اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے رہو۔ (سورۃ اللقمان: ۱۵)

حقوقِ والدین احادیث کی روشنی میں:

(۱) رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ، وَسُخْطُ الرَّبِّ فِي سُخْطُ الْوَالِدِ

ترجمہ: پروردگار کی خوشی باپ کی خوشی میں ہے اور پروردگار کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔ (ترمذی)

(۲) أَفْضَلُ الأَعْمَالِ الصَّلاةُ لِوَقْتِهَا وَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ

ترجمہ: سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا، اور والدین سے حسن سلوک کرنا ہے۔ (مسلم)

(۳) قَالَ بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ الْكِبَرَ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يَدْخُلاهُ الْجَنَّةَ، قُلْتُ آمِيْن.

ترجمہ: (حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبریلؑ نے) کہا ''ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پائیں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں''، میں نے کہا: ''آمین۔'' (بخاری و ترمذی)

(۴) جَاءَ رَجُلٌ إِلىٰ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ: ''أَحَيٌّ وَالِدَاكَ''، قَالَ: ''نَعَمْ''، قَالَ: ''فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ''.

ترجمہ: ایک شخص حضور ﷺ کے پاس جہاد کی اجازت لینے آیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟''، اس نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا ''تو ان دونوں میں ہی جہاد کرو۔'' (یعنی تمہارے لئے ماں باپ کی خدمت جہاد سے زیادہ افضل ہے) (متفق علیہ)

حقوقِ والدین:

انسان پر اپنے والدین کے بے پناہ حقوق اور احسانات ہوتے ہیں جن کا احاطہ کرنا یہاں محال ہے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) ادب واحترام:

والدین کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ والدین کا ادب واحترام کیا جائے، ان سے ہر قسم کی گستاخی سے بچا جائے۔ گفتگو اور

M.HARIS BASIM

بات چیت کے دوران عزت وتکریم کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔ان کو جھڑکنا یا اونچی آواز میں بات کرنا بلکہ اف تک کہنے سے گریز کیا جائے۔جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً

ترجمہ: تو انہیں (والدین کو) ''اف'' تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکو، بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔(بنی اسرائیل: ۲۳)

(۲) حسن سلوک:

والدین سے حسن سلوک کا مطلب یہ ہے کہ جیسے بھی ہو سکے ان سے اچھا برتاؤ کرے۔ان کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ان کے حکم فوراً بجالائے۔ان کی تمام تکالیف دور کرے۔دنیا کے جھمیلوں میں لگ کر ان سے بے رخی نہ برتے بلکہ اپنے اوقات میں سے ان کے لئے وقت نکالے اور خوش دلی سے ان کے کام بجالائے۔

(۳) اطاعت وخدمت:

والدین کی خدمت واطاعت میں اللہ کی رضا ہے۔والدین کی خدمت کی اتنی اہمیت ہے کہ اس عمل کو جہاد سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ: ''أَحَيٌّ وَالِدَاكَ''، قَالَ: ''نَعَمْ''، قَالَ: ''فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ''

ترجمہ: ایک شخص حضور ﷺ کے پاس جہاد کی اجازت لینے آیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟''، اس نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا ''تو ان دونوں میں ہی جہاد کرو۔'' (یعنی تمہارے لئے ماں باپ کی خدمت جہاد سے زیادہ افضل ہے) (متفق علیہ)

(۴) کثرت سے دعا:

والدین کی زندگی میں ان کی لمبی زندگی کیلئے اور ان کی وفات کے بعد ان کی مغفرت کیلئے دعا کرتے رہنا چاہئے۔اللہ پاک نے انسان کو اپنے والدین کے لیے دعا کرنے کا صرف حکم نہیں دیا، بلکہ خود اسے وہ الفاظ سکھائے جن کے ذریعے والدین کیلئے دعا کی جائے۔چنانچہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً

ترجمہ: اور (والدین کیلئے) یہ دعا کرو کہ اے رب! ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔ (بنی اسرائیل: ۲۴)

(۵) والدین کی نافرمانی نہ کرنا:

والدین کی نافرمانی کو سخت ناگوار گردانا گیا ہے۔اور ان سے ہر طرح کی بدسلوکی سے منع کیا گیا ہے۔حضور ﷺ نے والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

بڑے گناہ یہ ہیں: (۱) خدا کا شریک بنانا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا (۳) ناحق قتل کرنا (۴) جھوٹی قسم کھانا

(۶) کافر والدین کی بھی اطاعت:

مسلمان تو مسلمان، والدین اگر کافر بھی ہوں تب بھی دنیاوی معاملات میں ان کی اطاعت ضروری ہے۔ہاں اگر وہ دین

M.HARIS BASIM

کے خلاف بات کریں تو ان کی بات رد کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَى أَن تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفاً

ترجمہ: اگر وہ تم پہ دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کرو جس کا تمہیں علم نہیں تو ان کی بات ہرگز نہ مانو، اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے رہو۔ (اللقمان: ۱۵)

(۷) مالی امداد:

اولاد خود اور اولاد کا مال، والدین کا ہی ہوتا ہے، لیکن اگر والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اولاد کی ذمہ داری ہے کہ والدین کی مالی امداد کرے اور جس طرح بچپن میں والدین نے اس کی ہر خواہش و حاجت پوری کی اب اولاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ والدین کی ہر حاجت پوری کرے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيْكَ

ترجمہ: تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ (ابوداؤد)

☆.....☆.....☆

اولاد کے حقوق

تمہید:

جس طرح اولاد پر والدین کے کچھ فرائض ہیں بالکل اسی طرح والدین پر بھی اولاد کے بہت سے فرائض ہیں۔ جنہیں ہم ''اولاد کے حقوق'' کہہ سکتے ہیں۔ اولاد کی بقاء، تحفظ، بہترین نشو ونما اور بہترین تربیت کا ذمہ دار اسلام نے والدین کو ٹھہرایا ہے۔ اولاد والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اولاد جیسی بھی ہو اور وہ اپنے والدین سے جیسا بھی سلوک کرے والدین اسے اپنے جگر کا گوشہ مانتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں اولاد کے جن حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کو مختصراً یہاں بیان کیا جارہا ہے:

اولاد کے حقوق قرآن کی روشنی میں:

(۱) **وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُم**

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ (بنی اسرائیل: ۳۱)

(۲) **وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ**

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، (کیونکہ) ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔ (الانعام: ۱۵۱)

(۳) **وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ، بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ**

ترجمہ: اور جب اس لڑکی سے جو زندہ دفنائی گئی ہو پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی۔ (التکویر: ۸،۹)

M.HARIS BASIM

اولاد کے حقوق احادیث کی روشنی میں:

(۱) أَلا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَن رَّعِيَّتِهِ .

ترجمہ: خبردار تم سب نگران ہو اور تم سب سے اپنی نگرانی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (بخاری)

(۲) كَفىٰ بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُّضِيعَ مَنْ يَّقُوْت .

ترجمہ: آدمی کے گنہگار ہونے کیلئے یہ ہی کافی ہے کہ جن کو کھلانے کی ذمہ داری ہے ان سے بے پرواہ ہو جائے۔ (ابوداؤد)

(۳) أَكْرِمُوا أَوْلادَكُمْ وَأَحْسِنُوا أَدَبَهُمْ .

ترجمہ: اپنی اولاد کی عزت کرو اور ان کی اچھی تربیت کرو۔

(۴) اِتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا فِيْ أَوْلادِكُمْ .

ترجمہ: اللہ سے ڈرو اور اپنے اولاد سے مساویانہ سلوک کرو۔

اولاد کے حقوق:

والدین پر اولاد کے مندرجہ ذیل حقوق ہیں:

(۱) عقیقہ کرنا اور اچھا نام رکھنا:

اولاد کے حقوق میں سے ہے کہ پیدائش کے ساتویں روز خوشی کے اظہار کے لئے بطورِ خیرات بچے کی طرف سے جانور ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے اور اس کا اچھا نام رکھا جائے۔ لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔ بچے کے سر کے بال مونڈ کر ان کے برابر کی مقدار میں چاندی صدقہ کی جائے۔ نام رکھتے وقت اس بات کی خیال رکھا جائے کہ نام اچھا اور بہترین ہو، ایک حدیث میں ہے:

أَحَبُّ الأَسْمَاءِ إِلىٰ اللهِ عَبْدُ اللهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، وَأَصْدَقُ الأَسْمَاءِ إِلىٰ اللهِ حَارِث وَهَمَّامٌ .

ترجمہ: اللہ کے ہاں پسندیدہ نام ''عبداللہ'' اور ''عبدالرحمٰن'' ہیں اور سچے نام ''حارث'' اور ''ہمام'' ہیں۔

(۲) رضاعت:

رضاعت کا مطلب ہے دودھ پلانا۔ رضاعت کی مناسب مدت دو سال ہے۔ پیدائش کے بعد بچے کی ابتدائی خوراک ماں کا دودھ ہی ہوتا ہے۔ ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلائے۔ اور اگر خدانخواستہ ماں کا انتقال ہو جائے یا بیماری یا کسی اور وجہ سے دودھ نہ پلا سکے، یا دودھ پلانا نہ چاہتی ہو تو اس صورت میں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی اور عورت کو اجرت دے کر اپنے بچے کو دودھ پلوائے۔ قرآن نے کہا:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ

ترجمہ: اور مائیں پورے دو سال تک اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۳)

(۳) اچھی پرورش:

اولاد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے کھانے پینے، خوراک و رہائش کا انتظام کیا جائے۔ اور انہیں اچھا کھانا، اچھی

M.HARIS BASIM

رہائش اور اچھا لباس دیا جائے۔ حدیث میں باپ کو ایک بادشاہ اور اولاد کو اس کی رعایا قرار دیا گیا ہے، یعنی جس طرح بادشاہ کیلئے رعایا کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اسے ان سب کے بارے میں جوابدہ ہونا پڑے گا بالکل اسی طرح باپ بھی اپنی اولاد کا ذمہ دار ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

أَلا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَن رَّعِيَّتِهِ

ترجمہ: خبردار تم سب نگران ہو اور تم سب سے اپنی نگرانی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (بخاری)

(۴) اچھی تعلیم و تربیت:

بچوں کا ذہن کچا ہوتا ہے اور وہ جس ماحول اور معاشرے میں رہیں ان میں اس ماحول کا اثر سرایت کر جاتا ہے، اسلئے ماں باپ کو چاہئے کہ بچوں پہ ہمہ وقت نظر رکھیں، ان کیلئے اچھی تعلیم اور ساتھ ساتھ اچھی تربیت کا خیال رکھیں۔ حدیث شریف میں ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

اور والدین کا اپنی اولاد کیلئے بہترین تحفہ اور عطیہ اچھی تعلیم ہے، جو خود والدین کیلئے نہ صرف دنیا میں فائدہ مند ہے کیونکہ اچھی تربیت یافتہ اولاد ہر موڑ پر مفید ہی ثابت ہوتی ہے، بلکہ دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اولاد والدین کو یاد رکھتی ہے اور ان کیلئے صدقہ جاریہ کا کام دیتی ہے۔

(۵) مساوی سلوک:

والدین کیلئے ضروری ہے کہ اولاد کے درمیان مساویانہ سلوک اختیار کریں۔ کسی کو بلا وجہ دوسرے پر ترجیح نہ دینی چاہئے اور کسی بھی موقعہ پہ یہ تأثر نہیں دینا چاہئے کہ وہ ایک کو دوسرے سے زیادہ چاہتے ہیں۔ اس سے منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں اور نفرت کی فضا قائم ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اِتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا فِيْ أَوْلادِكُمْ

ترجمہ: اللہ سے ڈرو اور اپنے اولاد سے مساویانہ سلوک کرو۔

(۶) مناسب جگہ نکاح:

پرورش، تعلیم و تربیت کے بعد جب اولاد جوان ہو جائے تو اب والدین کی ذمہ داری ہے کہ جلد از جلد ان کیلئے مناسب رشتہ کا بندوبست کریں اور اچھی جگہ نکاح کریں۔ اس میں بلا وجہ کی تاخیر اور سستی اولاد کو بے راہ روی کا شکار کر سکتی ہے۔ یاد رہے کہ رشتہ کے معاملے میں اولاد کی مرضی اور کفو کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جانا بہت ضروری ہے۔

☆.....☆.....☆

M.HARIS BASIM

پڑوسیوں کے حقوق

تمہید:

اسلام ایک جامع اور معاشرتی اقدار سے بھرپور مذہب ہے جو کسی ایک شخص یا طبقہ کیلئے نہیں بلکہ پورے معاشرے کیلئے اپنے احکام کا اجراء کرتا ہے۔ پڑوسیوں کے حقوق جانے بغیر پرامن معاشرے کا قیام ممکن نہیں۔ مسلم معاشرے میں پڑوس کا ایک اہم مقام ہے۔ پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ اور ان کے حقوق کا تحفظ ایمان کی تکمیل کیلئے لازمی شرط ہے اور انسان کے صالح و متقی ہونے کی علامت ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق قرآن کی روشنی میں:

(۱) وَالْجَارِ ذِیْ الْقُرْبَی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ

ترجمہ: اور (احسان کرو) رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) کے ساتھ۔

(النساء: ۳۶)

پڑوسیوں کے حقوق احادیث کی روشنی میں:

(۱) وہ شخص ایمان دار نہیں جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں اور تکلیفوں سے محفوظ نہ ہو۔ (مسلم)

(۲) کوئی شخص ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک ہمسائے کیلئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔ (مسلم)

(۳) جو شخص سیر ہو کر کھانا کھالے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے اور رات گزار دے وہ مؤمن نہیں۔ (بیہقی)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ:

مجھے جبریل پڑوسیوں کے حسن سلوک کی اتنی تاکید کرتے ہیں کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وراثت کا حق دار قرار دے دیں گے۔ (ابوداؤد)

(۵) اے مسلم خواتین! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو قلیل شئ دینے میں حقارت محسوس نہ کرے، چاہے بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (متفق علیہ)

پڑوسیوں کی اقسام:

سورہ نساء میں اللہ تعالی نے پڑوسی کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں:

(۱) وہ پڑوسی جو رشتہ دار ہوں۔

(۲) غیر رشتہ دار پڑوسی۔

(۳) عارضی طور پر تعلقات قائم ہونے والے لوگ، جیسے: ہم پیشہ، ہم جماعت، ہم سفر وغیرہ۔

پڑوسیوں کے حقوق:

حقوقِ ہمسائیگی مختصراً یہ ہیں:

M.HARIS BASIM

(۱) عزت وتکریم:

پڑوسیوں کے حقوق میں سے ہے کہ ان کی عزت اوران کا احترام کیا جائے۔

(۲) حسن سلوک:

ویسے تو اسلام نے ہر چھوٹے بڑے سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے لیکن پڑوسیوں سے حسن سلوک اور اچھے رویہ کی خاص تاکید کی گئی ہے۔ارشاد نبوی ہے:

''وہ شخص ایمان دار نہیں جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں اور تکلیفوں سے محفوظ نہ ہو۔'' (متفق علیہ)

(۳) مالی خدمت:

اگر پڑوسی غریب ہے اور مالی بدحالی کا شکار ہے تو پڑوسی کا حق ہے کہ اس کی مالی امداد کی جائے۔اگر خدانخواستہ پڑوسی کے ہاں میت ہوجائے تو بجائے اس کے کہ اس کے گھر جا کہ کھانا کھایا جائے، ہمسایوں کا فرض بنتا ہے کہ اس کے گھر والوں کیلئے اور دور سے آئے مہمانوں کیلئے کھانے کا انتظام کریں تا کہ اس پریشان حال کی پریشانی کم کی جاسکے۔

(۴) ایذاءرسانی سے پرہیز:

حضورﷺ کا ارشاد ہے ''کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔ یہ عام حکم ہے یعنی کسی بھی مسلمان کو کسی طرح کی تکلیف دینا درست نہیں بلکہ بہت بڑا جرم ہے۔اور پڑوس کے معاملے تو اور زیادہ سخت وعید آئی ہے، ہمیشہ اس بات سے پرہیز کرنا چاہئے کہ اپنے کسی قول یا فعل سے ہمسایہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔چنانچہ حدیث نبوی ہے:

''وہ شخص ایمان دار نہیں جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں اور تکلیفوں سے محفوظ نہ ہو۔'' (متفق علیہ)

(۵) تحفہ دینا:

پڑوسیوں کو تحفہ تحائف دینے سے باہم محبت بڑھتی ہے، خلوص پیدا ہوتا ہے۔حضورﷺ نے عورتوں سے خاص طور پر خطاب کر کے فرمایا ''اے مسلم عورتو! اپنے پڑوسیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو بھی حقیر مت جانو، حتی کہ اگر بکری کی کھری ہی بھیج سکو تو یہ بھی اہم چیز ہے۔''

(۶) خوشی وغم میں شرکت:

دوسروں کے خوشی وغم میں شریک ہونا ایمانی تقاضہ ہے۔پڑوس میں آکر یہ اور بھی ضروری ہے کہ اگر پڑوسی کسی غم میں مبتلا ہے تو اس کے غم میں شریک ہوکر اس کا غم بانٹا جائے۔اگر اس تکلیف کے موقع پر اس کو مدد کی ضرورت ہے تو اس کی بے دریغ مدد کی جائے۔ اسی طرح اس کی خوشیوں میں شریک ہوکر اسے اپنائیت کا احساس دلایا جائے۔

(۷) جان، مال وآبرو کی حفاظت:

ہمسایہ کا حق ہے کہ اس کی جان ومال کی حفاظت کی جائے۔ارشاد ہے ''چوری حرام ہے لیکن دس چوروں سے بڑھ کر جرم یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کے گھر چوری کی جائے''۔

M.HARIS BASIM

غیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو رنگ و نسل، قوم و مذہب کے فرق سے بالاتر ہو کر انسانیت کی خدمت کا حکم دیتا ہے۔ حضور ﷺ کی ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں وہ اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کا بھی اپنے قریبی لوگوں کی طرح خیال فرماتے تھے۔ اس نوجوان کو کون بھول سکتا ہے جس کی بیماری میں حضور ﷺ عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ کے اس مثالی اخلاق سے متاثر ہو کر اس نے وقتِ مرگ اسلام قبول کیا اور ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا۔

دوسری مثال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے کہ جب بھی ان کے ہاں بکری ذبح ہوتی وہ اپنے غلام سے فرماتے کہ تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ دے دیا؟ کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ مجھے جبریل پڑوسیوں کے حسن سلوک کی اتنی تاکید کرتے ہیں کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وراثت کا حق دار قرار دے دیں گے۔

اچھے پڑوس کے فائدے:

☆.....اچھا پڑوس امن اور ذہنی اطمینان کا باعث ہے۔

☆.....اچھا پڑوس ہو تو بہت سے مسائل اور الجھنیں مشاورت سے حل ہو جاتے ہیں۔

☆.....جان، مال اور عزت کے ضیاع کا خدشہ نہیں رہتا۔

☆.....وقتِ ضرورت مدد و اعانت ملتی ہے۔

☆.....☆.....☆

رشتہ داروں کے حقوق

تمہید:

والدین، اولاد اور شریکِ حیات کے حقوق کے بعد، اسلام رشتہ داروں کے حقوق پر زور دیتا ہے۔ کیوں کہ معاشرتی زندگی میں انسان کا واسطہ اہل خانہ کے بعد سب سے زیادہ ان ہی سے پڑتا ہے۔ اگر خاندان کے افراد ایک دوسرے کے حقوق اچھے طریقے سے ادا کرتے رہیں، تو پورے خاندان میں محبت اور اپنائیت کی فضا قائم ہوتی ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو نفرت اور دوری پیدا ہو جائے گی اور پورا معاشرہ امن سے محروم ہو جائے گا۔ قرآن اور حدیث دونوں میں صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں سے حسن سلوک کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔

رشتہ داروں کے حقوق قرآن کی روشنی میں:

(۱) وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ

ترجمہ: اور رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو۔ (بنی اسرائیل: ۲۶)

M.HARIS BASIM

(۲) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى

ترجمہ: اور ماں باپ اور قرابت داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (النساء: ۳۶)

(۳) وَاتَّقُواْ اللهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو، اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی) سے ڈرو۔ (النساء: ۱)

رشتہ داروں کے حقوق احادیث کی روشنی میں:

(۱) لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ

ترجمہ: رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(۲) صِلْ مَنْ قَطَعَكَ

ترجمہ: جو تم سے رشتہ توڑے اس سے رشتہ جوڑو۔

(۳) لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ ، وَلكِنَّ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا

ترجمہ: بدلہ دینے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں، (اصل) صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ اسے جوڑے۔ (بخاری)

رشتہ داروں کے حقوق:

رشتہ داروں کے حقوق مختصراً یہ ہیں:

(۱) حسن سلوک:

ویسے تو اسلام نے ہر چھوٹے بڑے سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے لیکن رشتہ داروں سے حسن سلوک اور بھی ضروری ہے۔ کتاب وسنت میں جابجا رشتہ داروں سے حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے اور رشتہ داروں کی ایذاء رسانی کرنے والوں کو وعید سنائی گئی ہے۔

(۲) صلہ رحمی:

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے جو رشتہ جوڑنے کا حکم دیتا ہے اور رشتہ قطع کرنے سے منع کرتا ہے کیونکہ اس سے معاشرے میں فتنہ وفساد پھیلتا ہے۔ قرآن وحدیث میں کئی جگہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کی تلقین کی گئی ہے اور رشتہ قطع کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ

ترجمہ: رشتہ قطع کرنے والا جنت میں نہ جائے گا۔

(۳) مالی امداد:

رشتہ داروں کا حق ہے کہ ان کی مالی مدد کی جائے اور مالی مشکلات حل کی جائیں۔ بلکہ اگر رشتہ داروں میں کوئی مستحقِ زکوٰۃ ہے

M.HARIS BASIM

تو سب رشتہ داروں کو چاہئے کہ سب سے پہلے اپنے رشتہ دار کو اپنی زکوٰۃ اور صدقہ جات ادا کر کے اس کی مالی حالت بہتر بنائیں۔

(۴) پیار و محبت:

رشتہ داروں کا یہ بھی حق ہے کہ ان سے پیار و محبت برتا جائے۔ خصوصاً خونی رشتوں میں خاص پیار و محبت کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ محض دنیاوی امور اور مال و دولت کی خاطر اپنے پیاروں سے قطع تعلق نہیں کرنا چاہئے کیونکہ رشتے انمول ہوتے ہیں۔

(۵) برے رشتہ داروں سے حسن سلوک:

اسلام برے اور بداخلاق رشتہ داروں سے بھی حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ جو تم سے رشتہ توڑے اس سے جوڑو، جو بدسلوکی کرے اس سے حسن سلوک کرو، بلکہ حسن سلوک کے بدلے میں اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا تو دراصل بدلہ ہے، اصل حسن سلوک تو یہ ہے کہ بدسلوکی کے جواب میں حسن سلوکی کی جائے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ ، وَلٰكِنَّ الْوَاصِلُ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا

ترجمہ: بدلہ دینے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں، (اصل) صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ اسے جوڑے۔

(بخاری)

(۶) وراثت میں حصہ:

اسلام نے رشتہ داروں کو وراثت کا حصہ دار بنایا ہے۔ ہر رشتہ دار کا یہ حق ہے کہ شریعت نے اس کا جو حصہ مقرر کیا ہے وہ اسے دیا جائے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتی جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

''اور جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تو (حقداروں میں تقسیم کر دو کہ) ہم نے ہر ایک کے حقدار مقرر کر دیئے ہیں۔'' (النساء: ۳۳)

☆.....☆.....☆

M.HARIS BASIM

مراجع ومصادر

قرآن مجید
تفسیر معارف القرآن، مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ
آسان ترجمہ قرآن، شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ
ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی، سید ابوالاعلیٰ مودودی
صحیح البخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ
صحیح المسلم، امام مسلم بن حجاج بن مسلمؒ
جامع الترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ
سنن ابوداؤد، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ
سنن نسائی، امام ابوعبدالرحمان احمد بن علی النسائیؒ
سنن ابن ماجہ، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ
کشف الباری عما فی صحیح البخاری، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم
مشکوٰۃ المصابیح، شیخ ولی الدین رحمہ اللہ
مظاہر حق شرح مشکوٰۃ، مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری
صحیح الحفاظ، الدکتور رعواد الخلفؒ
مختصر القدوری، علامہ قدوری رحمہ اللہ
کتاب التعریفات، علامہ جرجانی رحمہ اللہ
القاموس الجدید، مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانویؒ
مسدس مدوجزر اسلام، الطاف حسین حالیؒ
اسلامیات، ڈگری کلاسز کیلئے، پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

Prepared by:

M. Haris Basim

haris.basim@yahoo.com
www.facebook.com/cs.mhb
www.twitter.com/HarisBasim

M.HARIS BASIM

M.HARIS BASIM

Suggestions for further improvement will be highly welcomed and appreciated at harisbasim@gmail.com

M.HARIS BASIM

Suggestions for further improvement will be highly welcomed and appreciated at harisbasim@gmail.com